سہ ماہی نئی دہلی

خبر نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۴ | اپریل تا جون ۲۰۱۰ء | شمارہ نمبر:۳

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	اداریہ	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۵
●	بورڈ کی سرگرمیاں		
۱	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۶
●	تاریخ بورڈ		
۱	مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلمان	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳
●	اصلاح معاشرہ		
۱	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور تحریک اصلاح معاشرہ	مولانا محمد اسلام قاسمی	۱۹
۲	مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی بسلسلۂ اصلاح معاشرہ	مولانا سید شاہ مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی	۲۲
۴	نکاح کے لئے رشتوں کے انتخاب کا شرعی معیار	مفتی احمد نادر القاسمی	۲۳
۵	تکثیری سماج میں مسلم امام کی ذمہ داریاں	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی	۲۷
●	متفرق		
۱	خواتین کے حقوق کا اسلامی چارٹر	ابوالاعلی سبحانی	۳۰
۲	تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۳۴
●	تاریخ اورنگ آباد		
۱	شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد	ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی	۳۶
۲	اورنگ آباد بزرگان دین کا ایک اہم مرکز	مفتی محمد نعیم مفتاحی	۴۲
۳	اورنگ آباد سیاسی، ثقافتی اور سماجی زندگی کے آئینہ میں	ڈاکٹر محمد خضر	۴۴
۴	اورنگ آباد کے دینی ادارے	مولانا محمد کلیم الدین کاشفی ندوی	۵۰
۵	اورنگ آباد کی تاریخ۔ ایک مختصر جائزہ	احمد اقبال	۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين، و الصلوة و السلام على خاتم النبيين محمد و على آله و صحبه اجمعين

اللہ رب العالمین نے انسان کی صلاح وفلاح کے لئے قرآن مجید میں دو رہنما اصول ایسے بتائے ہیں جو اسلام کی اہمیت کو ظاہر کرنے والے اور انسانی زندگی کو درست رکھنے اور انسانی معاشرہ کو کامیاب معاشرہ بنانے والے ہیں۔ ایک تو ''إن الدين عند الله الإسلام'' اور دوسرے ''ادخلوا في السلم كافة''۔ پہلی آیت سے یہ ظاہر فرمایا کہ اسلام کا طریق زندگی ہی رب العالمین کے یہاں قابلِ قبول ہے، دوسری آیت میں اسلام کو ''سِلم'' سے تعبیر فرمایا جس کے معنی امن کے ہیں، اسطرح اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ اسلام کا طریق زندگی امن وسلامتی کا طریقِ زندگی ہے، اور حکم دیا کہ امن وسلامتی کے اس طریقِ زندگی میں پوری طرح داخل ہوجاؤ یعنی اس کے سارے پہلوؤں کے ساتھ اسکو اختیار کرو۔ قرآن مجید کی یہ صراحت اسلامی شریعت کے اہم ہونے اور امن وسلامتی کا دین ہونے کو ظاہر کرتے ہوئے انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں کو اپنے دائرہ میں لے بھی لیتی ہے جس کو اختیار کرنے سے انسانی معاشرہ خیر و سلامتی کا معاشرہ بنتا ہے، اور اس میں کوتاہی کرنے سے انسانی معاشرہ کے خیر وسلامتی میں خرابی پیدا ہوتی ہے، قرآن مجید کی اس صراحت کی صورت میں اسلامی شریعت کے جو بھی احکام ہیں ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے، اور رب العالمین کی رضا جوئی اور آخرت کی کامیابی اس کے بغیر نہیں حاصل ہوسکتی، چنانچہ قرآن مجید میں صاف طور پر بتا دیا گیا کہ: ''و من يتبع غير الإسلام دينا فلن يقبل منه'' یعنی اسلام کے مقررہ ضابطہ حیات کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ضابطہ حیات اختیار کیا جائے گا تو ہرگز وہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اس وضاحت کے بعد مسلمانوں کے لئے تو کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ اسلامی شریعت کے احکام سے گریز کریں، یا ان میں کسی تبدیلی کو قبول کریں۔

قرآن مجید میں آئی ہوئی اسی وضاحت کے پیش نظر ہی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانیوں نے اسلامی شریعت کے تحفظ کے

لئے یہ ادارہ قائم کیا تا کہ اسلامی شریعت پر عمل اور اس کے تحفظ کی حسب ضرورت فکر کی جا سکے کیونکہ اس ملک میں جو سیکولر ملک ہے اور اس کے دستور کی رو سے ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق ہے، مسلمانوں کے اقلیت میں ہونے کی بناء پر ہم مسلمانوں کو اس کی فکر کرنا ہے کہ ان کی شریعت محفوظ رہے اور اس کے خلاف کوئی نقصان دہ رویہ عمل میں نہ آئے۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ قرآن مجید کی آیت ''و من يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه'' میں اللہ تعالی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ جو بھی اسلام کے طریقِ زندگی کو چھوڑ کر دوسرا طریقِ زندگی اختیار کرے گا اللہ تعالی کے ہاں اس کا یہ عمل ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ مسلمانوں کے لئے بڑی وارننگ ہے کہ انہوں نے اسلام کی شریعت اور اس کے احکام کو جب مانا ہے اور قبول کیا ہے تو ان کے لئے یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ اپنی خواہشِ نفس یا نام ونمود کے لئے یا کسی اور وجہ سے اسلامی شریعت کے حکم کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ممنوعہ طریق کار اختیار کریں۔ اس صورت میں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ قیامت کے روز اپنے پروردگار کے سامنے کیا منہ دکھائیں گے، اور ان کی غلط کاری کا کیا انجام ہوگا۔

لہذا بورڈ نے شریعت اسلامی کے تحفظ کے سلسلہ میں ان دونوں پہلوؤں کی فکر کو اختیار کیا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام کے سلسلہ میں باہر سے کسی تبدیلی یا مداخلت کی صورت نہ پیدا ہونے دے اور یہ کہ شریعت کے ماننے والے اس پر پوری طرح عمل کریں اسی کے لئے ضرورت پڑنے پر بورڈ کی طرف سے حسب ضرورت شریعت کا دفاع کیا جاتا ہے اور شریعت پر عمل کرانے کے لئے اصلاحِ معاشرہ کے پروگرام کیے جاتے ہیں تا کہ مسلمان غلط رسموں اور محض نام ونمود کی خاطر اللہ تعالی کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو نظر انداز کر کے اپنے رب کی ناراضگی کے مستحق نہ بنیں، اور وہ اس بات کو بھی سمجھیں کہ مسلمان جب خود اپنی اسلامی شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو وہ غیروں سے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہماری شریعت کے معاملہ میں صحیح رویہ اختیار کیا جائے۔ اس لئے اس کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم شریعت کا تحفظ خود اپنی زندگی میں کریں اور دوسروں کی طرف سے کسی تبدیلی یا رکاوٹ کی ہونے والی کوشش سے بچائیں اس سلسلہ میں ان کو بورڈ کی کوششوں میں جو تعاون کر سکتے ہیں وہ تعاون کرنا چاہئے، ہم جب اسلامی معاشرہ کو عملی طور پر صحیح احکام کے مطابق قائم کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم اپنے پروردگار کی رضا جوئی بھی کر سکیں گے اور دوسروں کی نظر میں ہم ایک با اصول امت کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے۔

اداریہ

ہندوستان ۔ مسلمان اور مسلم پرسنل لا

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

آزادی کے اعلان کے ساتھ جب ہندوستان میں ایک نیا سیاسی نظام قائم ہوا اور ایک نیا دستور نافذ کیا گیا جس کے تحت تمام لسانی، مذہبی اور اقلیتی اکائیوں کو یہ ضمانت دی گئی کہ وہ سیکولر جمہوری نظام حکومت میں، پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب، اپنی ثقافت، اپنی زبان اور اپنے شعائر کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں اور انہیں مکمل دستوری تحفظ حاصل ہے، نیز ان کو یہ ضمانت بھی دی گئی کہ وہ اپنے مذہب اور مذہبی احکام پر نہ صرف یہ کہ عمل کرسکتے ہیں بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرسکتے ہیں، اپنے ادارے خود قائم کرسکتے اور چلا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اسی دستوری تحفظ کے تحت یہاں کی اقلیت خاص طور پر مسلم اقلیت اپنے تعلیمی اور مذہبی ادارے قائم کرتی رہی اور اپنے پرسنل لا کے مطابق عمل بھی کرتی رہی اور فیصلے بھی کرتی رہی۔

لیکن دستور کے ہدایتی دفعات میں جو ملک کی ترقی کے لیے مشورے دئے گئے اس میں دفعہ ۴۴ میں یہ کہا گیا ہے کہ پورے ملک میں یکساں سول کوڈ لایا جائے ۔ چونکہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلم پرسنل لا پر زد پڑتی تھی اس لیے اس وقت کے قائدین اور مسلم ممبران پارلیامنٹ نے اس کی مخالفت کی مگر اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور دستور کو مرتب کرنے والے ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی طرح کی مداخلت نہیں ہوسکتی ہے اور مختلف انداز میں اس کی یقین دہانی کرائی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں دستور پاس ہوگیا، اور ۱۹۵۶ء میں ہندو کوڈ بل آیا جس کا تعلق صرف ہندو فرقہ سے تھا اور جن کے یہاں پہلے سے طلاق، وراثت کے ضابطے نہیں تھے اس کو اس میں شامل کرلیا گیا۔ اس بل کے پاس ہونے کے بعد یہ کہا جانے لگا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کرکے یکساں سول کوڈ لانے کی ضرورت ہے، اور زوروں پر اس کی تحریک چلی اور اس کے لیے مذکورہ دفعہ ۴۴ کا حوالہ دیا گیا، چنانچہ مسلم رہنماؤں نے اس کی مخالفت کی، اسی درمیان ۱۹۷۲ء میں پارلیامنٹ میں متبنیٰ بل پیش کیا گیا اور اس کو پیش کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون نے کہا کہ یہ یونیفارم سول کوڈ کی طرف پہلا قدم ہے۔

چنانچہ اس نئی صورت حال میں ہندوستان کی مسلم دینی قیادت نے ایک نئی حکمت عملی اختیار کی لہٰذا اس نے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر، فرقوں، جماعتوں اور مسالک کے زعما اور قائدین کو مسلم پرسنل لا کی حفاظت اور اتحاد ملت کے بنیادی موقف اور مرکزی نقطہ پر متحد ہوکر مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا طریقۂ کار پیش کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہندوستان بھر کے منتخب افراد مسلم تنظیموں، جماعتوں کے ذمہ داران کو یکجا کردیا، اس اسٹریٹجی کے نتیجے میں نہ صرف ہندوستان کی مسلم اقلیت میں اعتماد پیدا ہوا بلکہ ان کا حوصلہ بھی بلند ہوا، ۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کے ذریعے ہندوستان کی دینی قیادت نے متعدد فتنوں اور سازشوں کا مقابلہ کیا اور مشکل حالات میں شریعت کا دفاع بھی کیا۔

الحمدللہ بورڈ کی کوشش مختلف میدانوں میں جاری ہے، خاص طور پر شرعی قوانین کی حکمتوں اور مصلحتوں کی تشریح و تفہیم، وکلا کی ذہن سازی، نئی نسل کی فکری رہنمائی، ذرائع ابلاغ کی جانب سے اٹھائے جانے والے سوالات کے جوابات، معاشرہ میں رائج غیر اسلامی رسوم و رواج کی اصلاح، خواتین کے مسائل اور حقوق کے بارے میں شرعی رہنمائی، مسلم پرسنل لا سے متعلق اہم مسائل پر مفید لٹریچر کی تیاری، (بقیہ صفحہ: ۵۶ پر)

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

مرتب: محمد وقارالدین لطیفی ندوی

۲۱ رواں اجلاس عام لکھنؤ میں منظور کی جانے والی تجاویز

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اکیسویں اجلاس عام (منعقدہ ۱۹/ تا ۲۱/ مارچ ۲۰۱۰ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) میں منظور شدہ تجاویز کا خلاصہ بالاختصار پیش خدمت ہے۔

(۱) بورڈ کے سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ عدالتوں کے سمت قبلہ کو بدلنے کی ضرورت ہے، عدالتوں سے جو خلاف شریعت فیصلے آرہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عدالتی دہشت گردی کے ذریعہ شریعت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک تحریر تیار کی ہے اور وہ یہ تحریر ارکان کو بھیجیں گے، ارکان اس پر اپنے علاقے کے وکلاء صاحبان اور معززین کی دستخطیں کرواکر جہاں جہاں روانہ کرنے کے لئے لکھا جارہا ہے وہاں وہاں روانہ کریں، نیز انہوں نے ارکان بورڈ سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور بورڈ کے مراسلوں کا فوری جواب روانہ کریں اور مطلوبہ معلومات بورڈ کو فراہم کیا کریں۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۸ و ۳۳)

(۲) یہ بھی طے کیا گیا کہ ''جن اصحاب کے نام پیش کئے گئے لیکن وہ رکن منتخب قرار نہ پاسکے ان کو آئندہ اجلاس عمومی کے موقع پر حسب گنجائش مدعو کیا جائے''۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۱۷)

(۳) اجلاس نے آمد و صرف کے حسابات اور ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۱ء کے بجٹ کو منظوری دی، نیز اجلاس نے یہ بھی منظور کیا کہ ''چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ جناب سی اے وقارالحق صاحب کو آئندہ سہ سالہ میقات کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا C A مقرر کیا جاتا ہے، اور بورڈ کے خازن جناب پروفیسر ریاض عمر صاحب کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ سی اے صاحب کا سالانہ آڈٹ فیس طے کردیں''۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۲۴)

(۴) بابری مسجد کی شہادت (demolition) سے متعلق مقدمات کے تعلق سے یہ جلسہ محسوس کرتا ہے کہ ان مقدمات کی پیش رفت قطعی اطمینان بخش نہیں ہے اور ایسا لگتا ہے کہ لبراہن کمیشن (Liberahan Commission) کی رپورٹ سے متعلق ATR میں حکومت کے ذریعہ کئے گئے وعدہ کے بارے میں حکومت قطعی سنجیدہ نہیں ہے کیونکہ ابھی تک مرکزی سرکار یا C.B.I کی طرف سے فوجداری کے دونوں مقدمات کی day to day hearing کروانے کے لئے کوئی درخواست ہائی کورٹ میں نہیں گذاری گئی ہے۔

لہٰذا یہ جلسہ مرکزی حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ بابری مسجد کو منہدم کرنے کے ذمہ دار لوگوں کو جلد از جلد سزا دلوانے کے لئے دونوں مقدمات day-to-day hearing کروانے کے لئے فوری اقدام کئے جائیں اور <u>جن مزید ملزمان کی نشاندہی لبرہان کمیشن نے کی ہے ان کے خلاف جلد مقدمات قائم کئے جائیں اور جن ملزمان کے خلاف سازش کا الزام لبراہان کمیشن کی رپورٹ میں لگایا گیا ہے، انکے خلاف سازش (مجرمانہ) کا **Charge** بھی لگایا جائے</u> تاکہ بابری مسجد کو منہدم کرنے والے سبھی لوگوں کو جلد از جلد سخت سزائیں مل سکیں''۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۲۶، ۲۷)

(۵) مجموعہ قوانین اسلامی پر نظر ثانی کا کام تعبیرات کو آسان کرنے اور محتاط الفاظ و زبان استعمال کرنے کے نقطہ نظر سے چل رہا ہے۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۲۸)

(۶) تفہیم شریعت کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بتایا کہ دہلی اور لکھنؤ میں تفہیم شریعت کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں، اورنگ آباد میں یہ کام تسلسل سے جاری ہے، حیدرآباد، کشمیر و کیرالا میں بات ہو چکی ہے دو تین ماہ میں یہاں کمیٹیاں قائم ہو جائیں گی۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۲۸)

(۷) اصلاح معاشرہ کے مرکزی کنوینر اور بورڈ کے سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ کمیٹی نے کئی رسائل شائع کئے ہیں اور ان کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کروایا ہے، دس (۱۰) کتابوں کا ملیالم زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور حیدرآباد میں خواتین کی متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی سرگرم عمل ہے، منی پور اور آسام میں ندوۃ التعمیر کی نگرانی میں کام چل رہا ہے، انہوں نے کہا کہ اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے ائمہ اور خطبا کو اس سے جوڑنا پڑے گا اور ساتھ ہی اسکول کے طلبا کو بھی وابستہ کرنا ہوگا اور اصلاحی کمیٹیاں قائم کرنا ہوگا۔

جناب ایس ایم سید خلیل الرحمٰن صاحب سی اے بھٹکل نے تجویز پیش کی کہ بورڈ کی ساری کتابیں ویب سائٹ پر داخل کی جائیں اور اس ویب سائٹ کے بنانے کا خرچہ وہ برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۲۸/تا ۲۹)

(۸) ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اکیسواں اجلاس عمومی منعقدہ لکھنؤ ۲۱/مارچ ۲۰۱۰ء مسجد اقصیٰ کے تعلق سے اسرائیل کی شرانگیز کارروائیوں کی سخت مذمت کرتا ہے ان کارروائیوں کا مقصد مسجد اقصیٰ کو نقصان پہونچانا اس کے کردار کو تبدیل کرنا اور اس کو یہودی عبادت گاہ ہیکل میں تبدیل کرنا ہے۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۳۳،۳۴)

(۹) عدالتوں کے ذریعہ خلاف شریعت فیصلوں کے بارے میں اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ سپریم کورٹ کے دو فیصلے ہیں ایک فیصلہ جو شمیم آرا نامی کیس میں دیا گیا، دوسرے فیصلہ میں جو دانیال لطیفی نامی کیس میں دیا، ان دونوں فیصلوں کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ایک تدبیر تو یہ ہے کہ مسلم مطلقہ کے حقوق کے قانون میں پارلیمنٹ میں تبدیلی کروائی جائے جس وقت یہ قانون پیش ہوا تھا اس وقت ہی بورڈ کی جانب سے ۲۱/ترمیمات پیش کی گئی تھیں لیکن سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ نئی سیاسی صورتحال میں اب کوشش کی جائے گی کہ ترمیمات کا جائزہ لے کر دوبارہ اس کو آگے بڑھایا جائے اور اس تعلق سے سیاسی دباؤ بنایا جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ان معاملات کا کوئی کیس سپریم کورٹ پہنچے تو ہم اس کیس میں مداخلت کار بن کر سپریم کورٹ سے رجوع ہوں اور ان دو سابقہ فیصلوں پر غور مکرر کی درخواست کریں۔ (مطبوعہ کارروائی صفحہ ۳۲)

رکنیت کا خط

بورڈ کے اکیسویں انتخابی اجلاس لکھنؤ میں نومنتخب اساسی و عاملہ ارکان کی خدمت میں حضرت جنرل سکریٹری صاحب کی طرف سے رکن منتخب کئے جانے کی اطلاع اور اسکی منظوری بھیجنے کے لئے ایک خط مؤرخہ ۸/اپریل ۲۰۱۰ء کو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک روانہ کیا گیا۔

اور اسی طرح نومنتخب ارکان میقاتی کے نام بھی ۹/اپریل ۲۰۱۰ء کو رجسٹرڈ ڈاک سے خط بھیجا گیا۔

سکریٹری بورڈ کا خط

مؤرخہ ۲۴/مارچ ۲۰۱۰ء کو بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی طرف سے درج ذیل خط تمام ارکان بورڈ اور جملہ مدعوئین اجلاس عام لکھنؤ کے نام روانہ کیا گیا اور اس خط کے ہمراہ انگریزی میں حسب ذیل تحریر بھی بھیجی گئی اور خط میں نامزد عدالت اور حکومت وغیرہ کے عہدیداران کے نام انگریزی تحریر کو بھیجنے کی گذارش کی گئی۔

محترم و مکرم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہو!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اکیسواں اجلاس ۱۹/۲۰/۲۱/مارچ ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دیگر تجاویز کے ساتھ ایک تجویز یہ بھی منظور کی گئی کہ ملک کی مختلف عدالتوں میں مسلم پرسنل لا سے متعلق مقدمات میں ججیز حضرات قانون اسلامی کی من مانی ایسی تشریح و توضیح کرتے ہیں جن سے قانون شریعت متاثر

ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ایک عرضداشت صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم ہند، چیئر پرسن محترمہ سونیا گاندھی، وزیر قانون، چیف جسٹس آف انڈیا کی خدمت میں بھیجی جائے ساتھ ہی صوبائی وزیر اعلیٰ، وزیر قانون اور چیف جسٹس کو بھی بھیجی جائے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ عرضداشت کا مسودہ ارسال کر رہا ہوں، آپ مقامی قانون دانوں، ماہرین تعلیم، وکلاء اور سرکردہ شخصیات کے صاف ستھرے دستخطوں کے ساتھ متعلقہ ذمہ داروں کے پاس جلد از جلد بھیجیں۔ اور اسکی ایک کاپی میرے پاس اور دوسری کاپی مرکزی دفتر بورڈ دہلی کو ارسال کر دیں۔

امید ہے کہ آپ توجہ فرمائیں گے اور اپنی پیش رفت سے ہمیں مطلع کریں گے۔

In every individual and every community's life there are certain things which are held dearer than one's own life and all material things. Religion is one of them for which individuals and groups do not hesitate to sacrifice their own lives. Founding fathers of our constitution had this fact in mind and therefore in the fundamental rights they provided for freedom to believe and profess, practice and to propagate religion and also for the protection, preservation and promotion of culture. These guarantees strengthen the great sense of belonging and create sense of security and citizens of different religious persuasions join hand and strive together to preserve and perpetuate the religious and culture plurality. The guarantees given to Nagas and Mizos in Chap XXI of the Constitution for preservation of their religious and social practices, customary laws and procedure including administration of civil and criminal justice according o their customary laws prohibiting even parliament from making any laws on its own on these matters, have created confidence in these North eastern Indian people who laid down their arms to become full citizens of and enthusiastic participants in our secular and culturally plural democracy. The Makers of our Constitution have ingrained in the basic document the practical wisdom to forge unity in diversity by recognizing that in a pluralist society, the problem in not to wipe out difference but to forge unity by keeping difference in tact.

The Muslim of Indian cherish the goal of our polity but now they feel that their personal law based on religion is under threat. In the judicial history of Independent India, Bombay High Court has the distinction of putting the personal laws on a high pedestal. It is the first high court in the

judiciary and are interpreting, particularly, the rules of the Muslim Personal Law without referring to the recognized and authoritative source of it, importing their own notions of modernity causing social imbalances in Muslim societies and thus causing a great damage to the confidence of the Indian Muslims in justice, fair play and neutrality of our judiciary. The meeting recalls that well known Islamic scholars under supervision of its founder General Secretary (late) Maulana Minnatullah Rahmani compiled a compendium of Islamic Law and it is authentic and authoritative text of Muslim Personal Law in India.

In these circumstances this meeting of ………….. urges upon the Government of India and Honorable Chief Justice and justices of Supreme Court of India to take remedial measures so as to prohibit and prevent courts from interpreting Muslim Personal Law according to its own notion, neglecting and ignoring the authoritative sources of the Muslim Personal Law on the subject. This is need of the hour to restore original scheme of the Constitution which is country to pronounce in Narsu Appa Mali case (AIR 1952 Bom.84) that Personal laws are excluded from the purview of Art. 13 of the constitution and hence cannot be tested on the anvil of the Fundamental Rights in Chap. III of the constitution. The scheme of the constitution is generally to leave personal law unaffected. Recently, the Special Bench of the High Court of Judicature as Mumbai has approved the time tested principle not to interpret religions scriptures. (R.K. Bhasin VS. State of Maharashtra)

In Krishna Singh V/s. Mathura Aahir case, the Supreme Court has unequivocally laid down that the court should not import its own concept of modernity in interpreting the personal laws of the parties and that the court must enforce the personal law as derived from recognized and authoritative sources of the personal law.

This meeting of ……………………………… held at …………………………………… on …………. has noticed with anguish and anxiety that the courts generally are not following what has been laid down by the above historic decisions of our Indian

to leave personal law unaffected.

Signatories ……………………………..

مجلس عاملہ اورنگ آباد

صدر بورڈ کے مشورہ سے جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا اکاسیواں اجلاس ۶؍جون ۲۰۱۰ء کو طے کیا گیا، جس کے لئے حسب ذیل اطلاعی دعوت نامہ ارکان عاملہ کے نام مؤرخہ ۱۴؍اپریل ۲۰۱۰ء کو روانہ کیا گیا۔

محترم ومکرم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

عرض ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس مؤرخہ ۶؍جون ۲۰۱۰ء روز اتوار بوقت نو بجے صبح ریاست مہاراشٹر کے شہر اورنگ آباد میں واقع جامعہ کاشف العلوم میں طلب کیا گیا ہے۔

آپ سے التماس ہے کہ اپنی دوسری مصروفیات پر اس اجلاس میں شرکت کو ترجیح دیتے ہوئے ۵؍جون کی شام یا ۶؍جون ۲۰۱۰ء کی صبح تک اورنگ آباد پہنچ جائیں۔ بہتر ہوگا کہ اپنے مقام سے ہی آمد و رفت کا ٹکٹ ریزرو کرالیں۔

امید ہے کہ اس اجلاس میں مسلم پرسنل لا سے متعلق اہم مسائل پر گفتگو ہوگی۔ اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔

❁ عاملہ اجلاس کے اطلاعی دعوت نامے کے بعد مؤرخہ ۷؍مئی ۲۰۱۰ء کو اورنگ آباد میں ہونے والے مجلس عاملہ کی میٹنگ کا درج ذیل ایجنڈا ارکان اور مدعوئین کے نام روانہ کیا گیا۔

مکرم ومحترم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

اس سے پہلے آپ کی خدمت میں خط بھیجا جا چکا ہے دوبارہ بطور یاد دہانی یہ عریضہ ارسال کیا جارہا ہے کہ حضرت صدر محترم کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس بتاریخ ۶؍جون ۲۰۱۰ء بروز اتوار صبح ۹؍بجے جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر میں رکھا گیا ہے، اس اجلاس میں حسب ذیل ایجنڈہ پر غور کیا جائیگا۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس اجلاس میں ضرور شریک ہوں اور ۵؍جون کی شام یا ۶؍جون ۲۰۱۰ء کی صبح تک اورنگ آباد تشریف لے آئیں، اگر آپ کے ذہن میں کوئی تجویز ہو تو ۲۵؍مئی تک مرکزی دفتر بورڈ دہلی کو فیکس یا ای میل کے ذریعہ بھیج دیں، امید ہے کہ آپ نے ریزرویشن کرالیا ہوگا، اور اگر نہیں تو بہت جلد آمد و رفت کا ریزرویشن کرالیں، اور اپنے سفر کے پروگرام سے مرکزی دفتر دہلی کو اور اورنگ آباد کے پتہ پر مجلس استقبالیہ کو ضرور مطلع کردیں۔ مجلس استقبالیہ نے عند الطلب سکنڈ کلاس ریلوے کا کرایہ دینے کی پیش کش کی ہے۔

امید ہے کہ آپ اس اجلاس کی شرکت کو دوسری تمام مصروفیات پر ترجیح دیں گے۔

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ سابقہ کارروائی کی توثیق

۳۔ بورڈ کے اکیسویں اجلاس لکھنؤ میں منظور شدہ تجاویز پر عمل درآمد کے سلسلہ میں غور وخوض۔

۴۔ جاری سال میں بورڈ کے ذریعہ منعقد کئے جانے والے متعین پروگراموں کے منصوبوں پر تبادلہ خیال۔

۵۔ ہندوستان کی مختلف عدالتوں کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کے تعلق سے کئے گئے فیصلوں کا قانونی مطالعہ وتجزیہ۔

۶۔ بورڈ کے اغراض ومقاصد کے تحت نئے لٹریچر کی تیاری کے لئے موضوعات اور افراد کی تعیین۔

۷۔ بورڈ کی خواتین ارکان اور مدعو کے لئے خصوصی تربیتی پروگرام کے خاکے پر غور۔

۸۔ دیگر امور با جازت صدر

دار القضا کمیٹی

۱۹؍ مارچ ۲۰۱۰ء کو دار القضا کمیٹی کی ایک اہم میٹنگ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی جسمیں مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کنو یز کمیٹی، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب رکن کمیٹی، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب رکن کمیٹی شریک رہے کمیٹی میٹنگ کے فیصلہ حسب ذیل ہیں:

(۱) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ماتحت اور اس سے ملحق دار القضا ملک میں جہاں جہاں بھی قائم ہیں ان کے قاضیوں کے سال میں ایک بار دو روزہ اجتماع دہلی یا ملک کے کسی اور مقام پر بلایا جائے، اس اجتماع میں ان دار القضا جات کی تحریری کارگذاری رپورٹ پیش کی جائے، کام میں پیش آنے والی رکاوٹوں پر تبادلۂ خیالات ہو اور قضاء سے متعلق علمی موضوعات پر مذاکرہ بھی ہو۔

(۲) بورڈ کے ماتحت اور ملحق دار القضا جات اور قاضیوں کے لئے ضوابط کو مرتب کر کے کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں اسے پیش کیا جائے بہتر ہے کہ ضوابط کا مسودہ میٹنگ سے پہلے ارکان کمیٹی کو بھیجد یا جائے۔

(۳) بوڑیہ ضلع یمنا نگر ہریانہ اور علی گڑھ یوپی میں قیام دار القضا کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان میں تیزی لائی جائے اور سعی کی جائے کہ مستقبل قریب میں ان دونوں مقامات پر دار القضا قائم ہو جائیں۔

(۴) کوشش کی جائے کی سال میں کم از کم ایک دو مقام پر قضا تربیت کیمپ ضرور منعقد ہوں تا کہ قیام دار القضا کے لئے ماحول سازی ہو اور اہل علم کو زیادہ سے زیادہ تحریک دار القضا سے جوڑا جا سکے۔

(۵) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اگلی میقات میں شمالی ہند اور جنوبی ہند کے ایک ایک صوبہ نشانہ بنا کر ان صوبوں میں قیام دار القضا کے لئے خصوصی مہم چلائی جائے، اور شمالی ہند میں صوبہ اتر پردیش کو اس کے لئے طے کیا جاتا ہے۔

(۶) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مرکزی آفس واقع دہلی میں دار القضا سے متعلق آنے والے خطوط اور کاغذات کو محفوظ کرنے اور کنو یز دار القضا کمیٹی سے فوری رابطہ کر کے ان پر عملی کارروائی کے لئے کسی فرد کو مقرر کیا جائے۔

مجموعہ قوانین اسلامی

بورڈ کے اکیسویں اجلاس عام کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مجموعہ قوانین اسلامی کی خواندگی کی گئی جسمیں جناب محمد عبد الرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کنو یز کمیٹی، مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا مفتی ریاض احمد قاسمی صاحب جامعہ رحمانی مونگیر، مولانا مفتی احسان الحق صاحب دار العلوم وقف دیوبند، مولانا مفتی زین الاسلام صاحب دار العلوم دیوبند اس میں مسلسل تین دنوں تک شریک رہے اور خواندگی کا ایک بہت بڑا حصہ مکمل کر لیا گیا۔

تفہیم شریعت کمیٹی

تفہیم شریعت کمیٹی کی طرف سے امیر شریعت کرناٹک اور رکن عاملہ بورڈ حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی کی نگرانی وسرپرستی میں یکم مئی ۲۰۱۰ء کو وکلاء اور دانشوروں کا ایک عظیم الشان پروگرام منعقد ہوا جسکی ایک مختصر رپورٹ حسب ذیل ہے:

موجودہ دور میں ہمارے ملک کی عدلیہ کے دوہرے معیار سے عدلیہ کا وقار مجروح ہو رہا ہے۔ وکلاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو محسوس کریں اور شرعی احکامات کو خود سمجھیں، اور ان احکامات سے عدلیہ کے ذمہ داروں کو واقف کروائیں، اور جرأت کے ساتھ کہیں کہ اس دوہرے معیار سے مسلمانوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے ان خیالات کا اظہار دار العلوم سبیل الرشاد میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں منعقد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تفہیم شریعت کمیٹی کے اجلاس یکم مئی میں فاضل مقررین نے کیا۔ اس اجلاس میں بڑی تعداد میں وکلاء، دار القضاء کے قاضی، اکابر وعمائدین نے شرکت کی تھی۔

مسلمانوں کے عائلی مسائل اور اس سلسلے میں شریعت محمدیؐ کے

صحیح نقطہ نظر کو نامور علمائے کرام و دانشوران نے حاضرین کے سامنے پیش کیا، اور ساتھ ہی متعدد وکلاء اور شرکاء کے استفسارات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب دیا۔ اس سیمینار سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر مولانا محمد سراج الحسن صاحب، جناب کے رحمٰن خان صاحب ڈپٹی چیئرمین راجیہ سبھا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کنوینر تفہیم شریعت کمیٹی، ملک کے مشہور و معروف وکیل جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محمد عبدالرحیم قریشی، بورڈ کے نائب صدر حضرت مولانا کا کا سعید احمد عمری صاحب اور صوبہ کرناٹک کے مفتی محمد اشرف علی باقوی صاحب نے خطاب کیا، سیمینار کے دوران سبھی مقررین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شریعت اسلامی کے احکامات سے مسلم معاشرے کی دوری بہت ساری پے چیدگیوں کی اصل وجہ ہے، اگر مسلم معاشرہ شریعت محمدیؐ کو اپنی زندگیوں میں ڈھال بنا کر اور اس کے احکامات کے مطابق روزمرہ کے ہر مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کرے تو آئے دن ہر چھوٹے بڑے تنازعہ پر مسلمانوں کو بار بار عدالتوں کا رخ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، مقررین کا خیال تھا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے تحفظ شریعت کے لئے جو کچھ ہوسکتا ہے کیا جارہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شرعی قوانین کو جانیں، اور اس کو سمجھ کر ان پر عمل کریں مختلف مقدمات میں ملک کی عدالتوں کی طرف سے سنائے گئے فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے مقررین نے عدالتوں کے دوہرے معیار کی دہائی دی اور کہا کہ انصاف کے مراکز میں بیٹھنے والے قانون دانوں اور ججوں تک شریعت محمدیؐ کو صحیح زاویہ سے پیش کیا جائے، تو ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کوئی بھی فیصلہ سناتے وقت جج بھی شرعی احکامات اور قوانین کو ملحوظ رکھیں گے، اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعت کرناٹک مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی نے کہا کہ دنیا میں انسانیت کے لئے صحیح زندگی گذارنے کا اگر کوئی بہترین طریقہ ہے تو وہ اسلام ہے اگر آج بھی آدمی غور کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اہل علم و محفل فہم و فراست کو مجبوراً اس نکتہ پر متفق ہونا پڑے گا، مفتی صاحب نے کہا کہ اس دور میں بھی غیر مسلم قرآنی تعلیمات سے آگاہ تھے، لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات کو عام کرنا چھوڑ دیا ہے انہوں نے کہا کہ مذہب اسلام پوری انسانیت کے لئے پیش کیا گیا ہے اور اس مذہب میں آخری لمحہ تک کے سبھی مراحل کی روشن تعلیمات دی گئی ہیں، جن پر چل کر ہی انسان دنیا وآخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ضروری بھی ہے کہ ان اسلامی اصولوں کو صحیح زاویہ اور نقطہ نظر سے دیکھا جائے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے تفصیلی خطاب میں شریعت اسلامی کو عام کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے مختلف زاویوں پر روشنی ڈالی، انہوں نے کہا کہ کسی بھی چیز کو اس کے موقع پر رکھنا عدل ہے اور اسے موقع سے ہٹا دینا ظلم ہے۔ اپنے صدارتی خطاب میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے مختلف تاریخی پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ آج کل عدالتوں میں جو نئے نئے فیصلے ہورہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ علماء اور وکلاء کے درمیان خلیج ہے اسے پر کیا جائے، انہوں نے شریعت کے تحفظ کے لئے سنجیدگی، حکمت، بصیرت اور غیرت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جس شریعت کو ہم لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ہمیں عمل کر کے دکھانا چاہئے، قول کے ساتھ عمل کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ قول و عمل میں اگر تضاد ہو تو دوسروں کے سامنے ہم شریعت کیا پیش کرسکتے ہیں اس سمینار کے موقع پر امیر شریعت کرناٹک مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی نے اعلان کیا کہ ریاست بھر میں تفہیم شریعت کی تحریک کو عام کرنے کے لئے ریاست کو ۶/ زونس میں تقسیم کیا جائے گا۔ پانچ، چھ اضلاع پر مشتمل ایک زون ترتیب دیا جائے گا ہر زون کے وکلا و علماء کو اس میں شامل کیا جائے گا، ریاست کے چھ زونس اس طرح ہیں گلبرگہ، میسور، بیلگام، بنگلور اربن، اور بنگلور رورل، اجلاس میں سرکردہ مسلم سیاسی وسماجی شخصیات، دانشوروں، صحافیوں، وکلاء، ماہرین قانون اور ماہرین قانون اسلامی اور عمائدین اسمیں شریک رہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلمان

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(رکن عاملہ بورڈ، حیدر آباد)

یہ بات ہر مسلمان کے ایمان کا لازمی جز ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین ہم تک پہونچا ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہے، مگر ایسا نہیں ہے کہ خالقِ کائنات نے کان اور آنکھ کی طرح ہر شخص کو براہ راست دین کے احکام عطا کردیئے ہوں؛ بلکہ یہ انسانیت تک مختلف واسطوں سے پہنچا ہے، ان میں پہلا واسطہ انبیاء کرام کا ہے، جس کا سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ رفقاء یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، اور تیسرا واسطہ علماء امت ہیں، ان تینوں سے امت کا ربط وتعلق جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ دین سے مربوط رہیں گے، اور یہ تعلق جتنا کم ہوگا اور ان پر یقین واعتماد کی جتنی کمی ہوگی، اسی قدر وہ دین سے دور ہوتے چلے جائیں گے؛ اسی لئے رسول پر ایمان لانے کو لازم قرار دیا گیا ہے، صحابہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کے سلسلہ میں زبان کی حفاظت کریں اور یہ کہ ان سے محبت رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے: (**صحیح ابن حبان، کتاب إخباره صلی اللّٰه علیه وسلم عن مناقب الصحابة**، حدیث نمبر: ۷۲۵۶) ـــــ اور علماء کے بارے میں بارے میں فرمایا گیا کہ یہ انبیاء کے وارث ہیں: (**سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم**، حدیث نمبر: ۳۶۴۳، **سنن الترمذي، کتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه علی العبادة**، حدیث نمبر: ۲۸۹۸)۔

علماء کو انبیاء کا وارث کہنے میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے: جن میں سے ایک کے مخاطب خود علماء ہیں اور دوسرے کے مخاطب عام مسلمان ہیں، اس حدیث میں علماء کے لئے یہ پیغام ہے کہ دین کی تشریح وتوضیح، دعوت وارشاد اور حفاظت وحمایت جس طرح ہر عہد میں اس عہد کے پیغمبر کیا کرتے تھے، اب یہ علماء کی ذمہ داری ہے، اور عوام سے یہ خطاب ہے کہ علماء کے تئیں ان کے دلوں میں توقیر اور اعتماد ہونا چاہئے، اور ایسی بات نہ کہنی چاہئے، جس سے ان کی بے توقیری ہوتی ہو یا ان پر لوگوں کا اعتماد مجروح ہوتا ہو؛ چنانچہ جن لوگوں کو اسلام سے کدورت اور حق وسچائی سے عداوت رہی ہے، وہ ہمیشہ ان تینوں واسطوں کو مطعون کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں، یہود ونصاریٰ نے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اپنی تنقید؛ بلکہ بعض اوقات تمسخر کا ہدف بنایا ہے، مختلف ادوار میں جو گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور جنہوں نے اندر سے اسلام کے درخت کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی، انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنا نشانہ بنایا؛ کیوں کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شخصیت مجروح ہوجائے، تو ایک طرف احکام شریعت پر لوگوں کا اعتماد متزلزل ہوجائے گا؛ کیوں کہ ان ہی کے واسطہ سے دین لوگوں تک پہنچا ہے اور دوسری طرف اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگی کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اتنی ناقص تھی کہ جو لوگ شب وروز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد اعتماد فرمایا کرتے تھے، وہ بھی اچھے لوگ نہیں تھے؛ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان کو گرانا دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو مجروح کرنا ہے۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرتا، یا تو ایمان کی جو چنگاری دل میں چھپی ہے، وہ ان کو اتنا آگے جانے نہیں دیتی یا سماج کا خوف

ان کی زبان تھام لیتا ہے، ایسے لوگ اکثر علماء اور مذہبی قیادت کو نشانہ بناتے ہیں، ان پر ناشائستہ تنقیدیں کرتے ہیں، انہیں بے خبر، بے شعور، مجہول اور غافل و کاہل سمجھتے ہیں؛ اس طرح دراصل وہ اسلام دشمن طاقتوں کو تقویت پہنچانے اور خوش کرنے کا کام کرتے ہیں؛ اگر ڈاکٹروں کے گروہ کے بارے میں کہا جائے کہ یہ بیوقوف ہوتے ہیں، تو یہ بالواسطہ اس بات کا اعلان ہے کہ ان کا پیشہ ورانہ علم انسان کو بے وقوفی کے راستہ پر لے جاتا ہے، اسی طرح اگر علماء اور مذہبی قیادت کے بارے میں عمومی طور پر یہ بات کہی جائے کہ وہ ناسمجھ اور بے عقل ہیں تو اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ دین ہی انسان کو ناسمجھی اور بے عملی کی طرف لے جاتا ہے، ایک زمانہ میں مسلمانوں کو علماء اور مذہبی شخصیتوں سے دور کرنے کا یہ طریقہ کمیونسٹ اختیار کرتے تھے اور آج کل یہی کام مغربی میڈیا کر رہا ہے، درخت کے تنے اور اس کی ٹہنیوں کو کاٹا جائے تو ہر گذرنے والا اسے دیکھ سکتا ہے اور اس کی غلطی پر بعض اوقات شور مچ جاتا ہے؛ لیکن اگر اس کی جڑوں کو خشک کر دیا جائے اور زمین سے اس کا رابطہ کٹ جائے تو خود بخود درخت زمیں بوس ہو جاتا ہے، اس میں نہ درخت کو کاٹنے کا الزام کسی پر آئے گا، نہ نگاہیں اس حرکت کو دیکھ سکیں گی، اسی طرح بالواسطہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا کام اس وقت مغربی میڈیا کر رہا ہے؛ مگر افسوس کہ بہت سے مسلمان اپنی سادہ لوحی اور جذبۂ روشن خیالی میں اس حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے ایمان کے بچاؤ اور شریعت اسلامی کے تحفظ میں علماء کا بڑا اہم کردار رہا ہے، انہوں نے ملک میں عیسائی مشنریز کی تحریک ارتداد کا مقابلہ کیا ہے، انہوں نے آریہ سماجیوں کی طرف سے مسلمانوں میں ہندومت کی تبلیغ اور ارتدادی کوششوں کا مؤثر طور پر سد باب کیا ہے، انہوں نے فتنۂ انکار حدیث کا استیصال کیا ہے، مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے، دینی مدارس کے ذریعہ مسلم معاشرہ کو دین سے جوڑے رکھنے کی اہم خدمت انجام دی ہے، اس دور میں جو نئے شرعی مسائل پیدا ہوئے ہیں، انہیں انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے ذریعہ حل کیا ہے، اور حل کر رہے ہیں، دینی تعلیم، عصری تعلیم، خدمت خلق، مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور امت کے مختلف کاموں کے لئے مسلمانوں کو جوڑ کر بے شمار ادارے اور تنظیمیں قائم کئے ہیں، اردو زبان کی ملازمت اور معاشی مفادات سے بے تعلق ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان رابطہ کی حیثیت سے اس کی حفاظت کی ہے اور بہت سی علمی، دینی، تنظیمی؛ بلکہ ایک حد تک سیاسی خدمات انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں۔

علماء اور مذہبی قائدین کی خدمت کا ایک اہم پہلو شریعت اسلامی کی حفاظت بھی ہے، اس کے لئے ایک طرف انہوں نے دارالقضاء کا نظام قائم کیا؛ تاکہ مسلمان شرعی عدالتوں کے ذریعہ اپنے معاملات طے کرائیں کیوں کہ ایک مسلمان اور شریعت سے واقف قاضی ہی احکام شریعت کی صحیح تشریح کر سکتا ہے اور اس کی روح کے مطابق اس کو نافذ کر سکتا ہے، دوسری طرف انہوں نے سیاسی سطح پر بھی مؤثر جدوجہد کی ہے، چنانچہ ۱۹۳۷ء میں ''شریعت اپلیکیشن ایکٹ'' علماء ہی کی کوششوں سے بنا، ۱۹۳۹ء میں انفساخ نکاح کا قانون پاس ہوا، یہ بھی ان ہی کوششوں کا نتیجہ تھا، اس قانون میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی تھی کہ انفساخ نکاح سے متعلق مقدمات مسلمان قاضی یا مجسٹریٹ کے ذریعہ فیصل ہوا کریں گے اور حکومت برطانیہ نے اسے منظور بھی کر لیا تھا لیکن بعض مسلمان دانشوروں نے اس پر اعتراض کیا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح مولویوں اور ملاؤں کو عدالتی اختیارات حاصل ہو جائیں گے اس لئے یہ دفعہ مسودۂ قانون سے خارج کر دی گئی، اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں اس وقت مسلمان جس پریشان کن صورت حال سے دو چار ہیں، غالباً اس کی نوبت نہیں آتی، مگر برا ہو زعم دانشوری اور جذبۂ روشن خیالی کا، کہ اس نے ملت کو کتنے ہی نقصان پہنچائے ہیں! آزادی کے بعد دستور میں اقلیت کے لئے مذہبی حقوق کی صراحت کرنے اور دستور ساز شخصیتوں کے بار بار کی یقین دہانیاں کرانے کے باوجود جلد ہی حکومت کی بدنیتی سے پردہ اٹھنے لگا، ۱۹۵۶ء میں جب ہندو کوڈ بنا اس وقت بھی کہا گیا کہ یہ یکساں سول کوڈ کی طرف ایک قدم ہے، پھر

قانون شفعہ اور ۱۸؍سال سے کم عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کی ممانعت کے لئے اس طرح راستہ نکالا گیا کہ انہیں قانون شخصی کی بجائے دوسرے قوانین کا حصہ بنادیا گیا، اسپیشل میریج ایکٹ بنایا گیا تا کہ جو مسلمان مرد و عورت مسلم پرسنل لا سے آزاد ہو کر نکاح کرنا چاہیں، وہ اس کے تحت نکاح کریں، یہاں تک کہ ۱۹۷۲ء میں لے پالک کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینے اور گود لینے والے کے ترکہ سے اس کو میراث دلانے کی مہم شروع کی گئی، ہندوؤں کے لئے پہلے سے اس نوعیت کا قانون موجود تھا لیکن مسلمانوں کے بشمول تمام قوموں کو اس میں شامل کرنے کے لئے ایک خصوصی بل مرتب کیا گیا، اس وقت مختلف مسلم تنظیموں کی جانب سے اس کے خلاف آواز بلند کی گئی، یہاں تک کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ۱۹۶۸ء میں پٹنہ میں ''مسلم پرسنل لا کانفرنس'' بلائی اور اس میں مسلمانوں کی دو بڑی کل ہند جماعتوں جمعیۃ علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند کے ذمہ داران، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی صاحبان کو مدعو کیا گیا، یہ گویا مسلم پرسنل لا پر پہلا چند جماعتی اجلاس تھا، جس کی داعی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ تھی، اور جس کے شرکاء میں جمعیۃ علماء ہند اور جماعت اسلامی جیسی دو اہم اور کل ہند تنظیمیں شامل تھیں، پھر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی کوششوں سے اسی نوعیت کا ایک پروگرام دارالعلوم دیوبند میں ہوا اور وہیں طے پایا کہ اس سلسلہ میں ایک بڑا کنونشن ممبئی میں کیا جائے کیوں کہ مسلم پرسنل لا کے خلاف بعض نام نہاد مسلمانوں کی آواز یہیں سے اٹھ رہی تھی، پھر دسمبر ۱۹۷۲ء میں وہ عظیم الشان مسلم پرسنل لا ممبئی کنونشن منعقد ہوا، جس کے بارے میں بعض بزرگوں کی رائے تھی کہ خلافت تحریک کے بعد اتنے وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کا ایسا پروگرام نہیں ہوا، اس کنونشن میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کی تجویز منظور کی گئی اور اگلا اجلاس حیدرآباد میں ہوا، جہاں باضابطہ بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، بورڈ کی تشکیل بجائے خود ایک کرامت سے کم نہیں، مختلف مکاتب فکر، مختلف جماعتیں اور تنظیمیں، جن کے تعلقات دریا کے دو کناروں کا درجہ رکھتے تھے، اور جن کا ایک جگہ مل بیٹھنا ناقابل تصور تھا، وہ تحفظ شریعت کے مقصد کے تحت یکجا ہوئے اور بورڈ میں نہ صرف علماء، بلکہ راسخ العقیدہ مسلمان دانشوروں اور قانون دانوں کی بھی ایک مناسب تعداد شامل کی گئی اور اب تک اس کا یہی ڈھانچہ برقرار ہے۔

بورڈ کی تشکیل کا ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مختلف پلیٹ فارموں پر ایک ساتھ بیٹھنے لگے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سیمینار، آل انڈیا ملی کونسل کی بنیاد ی ہیئت، جمعیۃ علماء ہند، اور جماعت اسلامی کے حالیہ عوامی جلسے اس کی واضح مثال ہیں لیکن اس کے علاوہ خود تحفظ شریعت کے سلسلے میں حکومت متبنیٰ بل واپس لینے پر مجبور ہوئی، مسجدوں کو عوامی مقاصد کے لئے ایکوائر کرنے کی بات واپس لی گئی، نفقۂ مطلقہ سے متعلق دفعہ ۱۲۷ کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے ''تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خواتین'' کا قانون پاس ہوا، نکاح کے رجسٹریشن کے لزوم کے سلسلے میں اکثر ریاستوں میں قانون بنانے سے گریز کیا گیا اور جہاں قانون بنا، وہاں بھی ثبوت نکاح کے لئے رجسٹریشن کا لزوم نہیں رکھا گیا، یہ اور اس طرح کے بعض اور فیصلے عوامی جدوجہد اور سیاسی نمائندگی کے ذریعہ ہوسکے، اور اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ بورڈ کے قیام کے بعد سے گورنمنٹ پارلیمنٹ کے ذریعہ کوئی ایسا بل لانے کی جرأت نہیں کرسکی، جو براہ راست مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا باعث ہو، یہ یقیناً مسلم پرسنل لا بورڈ کی کامیابی اور اس کے پیچھے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا نتیجہ ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہماری معزز عدالتیں اپنے حدود سے تجاوز کرتی جارہی ہیں اور انہوں نے تشریح قانون سے آگے بڑھ کر وضع قانون کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور نہ صرف مسلم پرسنل لا بلکہ بعض دوسرے معاملات میں بھی ان کی طرف سے دخل در معقولات کا سلسلہ جاری ہے، سابق اسپیکر سومناتھ چٹرجی بھی اس سلسلہ میں اپنی شکایت کرچکے ہیں، ماضی قریب میں ہم جنسی کے سلسلہ میں عدالت کا رویہ سامنے آیا ہے، اسے بھی بدبختانہ ہی کہا جاسکتا ہے یہاں تک کہ عدالتیں اب مسلمانوں کے اقلیت

ہونے سے بھی انکار کر رہی ہیں تا کہ ایک طرف وہ اکثریت کے حقوق سے تو محروم ہیں ہی، اب اقلیت کے حقوق سے بھی محروم ہو جائیں۔

مسلم پرسنل لا کے مسئلہ نے ایک نئی صورت اس وقت اختیار کر لی، جب نفقۂ مطلقہ سے متعلق شاہ بانو کیس میں عدالت نے اپنے طور پر آیت قرآنی کی تشریح کی اور ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرہ:۲۴۱) سے استنباط کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی کہ مطلقہ عورت دوسرے نکاح تک نفقہ کی مستحق ہے، یہ استنباط اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ کہ کوئی شخص عین دو پہر کے وقت کہے کہ یہ رات ہے، اس فیصلہ کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ اب تک عدالتیں مذہبی کتابوں کی اپنے طور پر تشریح کرنے سے گریز کرتی تھیں اور اس مذہب کے ماہر علماء کی آراء کا اعتبار کرتی تھیں لیکن اس بار عدالت نے اپنی روایات سے تجاوز کرتے ہوئے براہ راست قرآن مجید کی تفسیر کرنی شروع کر دی، چنانچہ اس فیصلہ کے بڑے مضر اثرات مرتب ہوئے، اور مختلف عدالتوں نے طلاق کے سلسلہ میں اپنے طور پر احکام کا استنباط کرنا اور فیصلے کرنا شروع کر دیا، جسٹس بہار الاسلام اور جسٹس بدر دریز وغیرہ کے فیصلے اسی نوعیت کے ہیں اسی لئے بورڈ نے اس کے خلاف پورے ملک میں تحریک چلائی اور اس تحریک کے نتیجہ میں ''تحفظ حقوق مسلم خواتین'' قانون بنا۔

بعض حضرات کے ذہن میں ہے کہ بورڈ نے ایسا قانون پاس کرایا ہے، جس سے آئندہ مزید غلط فیصلوں کا راستہ کھل گیا لیکن یہ غلط فہمی پر مبنی ہے، حقیقت یہ ہے کہ بورڈ نے جو مسودہ تیار کیا تھا، اس میں گورنمنٹ نے اتنی تبدیلیاں کر دیں کہ اس کا منشا ہی فوت ہو گیا، جب وزیر قانون نے مجوزہ مسودہ قانون پیش کیا تو بورڈ کے ذمہ داروں نے اسے نا قابل قبول قرار دیا اور اس میں بتیس ترمیمات کا مسودہ بنا کر حوالہ کیا لیکن جب بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو اس میں ان ترمیمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا البتہ اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی نے بورڈ کے ذمہ داروں سے وعدہ کیا کہ وہ کسی اور موقع سے اس میں ترمیم کرا لیں گے، بورڈ اس کے لئے کوشاں تھا لیکن اس سے پہلے وہ کوئی ترمیم کراتے اقتدار سے محروم ہو گئے اور پھر اگلے الیکشن کے دوران ہی ان کی موت ہو گئی۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہماری عدالتوں کا رویہ بھی مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں مثبت نہیں ہے اور متواتر کئی فیصلے ایسے آچکے ہیں جن سے مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچا ہے، اس سلسلہ میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جب کبھی فرقہ پرست جماعتوں کو اقتدار حاصل ہوا ہے، انہوں نے تعلیم، ذرائع ابلاغ اور انصاف کے شعبوں پر ایک خاص ذہن کے لوگوں کو لانے کی کامیاب کوشش کی ہے، یہاں تک کہ ان شعبوں سے تعلق رکھنے والے بعض ملازمین نے ریٹائرڈ ہونے کے بعد علانیہ فسطائی جماعتوں کی رکنیت اختیار کر لی ہے، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو --- جہاں تک ممکن ہو --- اس شعبہ میں ترقی نہ دی جائے، اس صورت حال کی وجہ سے بعض دفعہ کسی معاملہ کو عدالت میں لے جانے کے مقابلہ یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کر کے مقدمہ میں فریق بنا جائے کیوں کہ اگر ایک بار اونچی عدالتوں میں ایک فیصلہ ہو جائے تو پھر اس کی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔

عدالتوں کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت پر مبنی فیصلے یقیناً ہوئے ہیں، بورڈ اس سے واقف بھی ہے اور وہ اس پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کے سلسلہ میں کافی احتیاط سے کام لینا ہوتا ہے، اب اس کی تلافی کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو تحت کی عدالت کے خلاف اوپر کی عدالت میں اپیل کی جائے یا پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون میں تبدیلی کرائی جائے، ماضی قریب میں عدالتوں کا جو رویہ رہا ہے، اس پس منظر میں زیادہ درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ اس صورت حال کا مقابلہ کیا جائے اور پارلیمنٹ کی صورت حال یہ ہے کہ ہمارا ملک تیزی سے دو جماعتی جمہوریت کی طرف بڑھ رہا ہے، ایک اتحاد U.P.A کا ہے اور دوسرا N.D.A کا، تیسرا محاذ دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے اور ابھی حکومت سازی میں اس کو فیصلہ کن حیثیت حاصل نہیں ہے۔

گزشتہ پانچ سالہ میقات سے پہلے N.D.A سرکار تھی جس میں

سب سے اہم شریک بی جے پی تھی اور B.J.P نے یکساں سول کوڈ کو اپنے منشور کے نمایاں موضوعات میں رکھا تھا، اس وقت قانون میں تبدیلی کی کوشش بارآور نہیں ہوسکتی تھی، پھر اس کے بعد منموہن سنگھ کی قیادت میں U.P.A کی حکومت آئی، مگر یہ حکومت بائیں بازو کی تائید پر منحصر تھی اور بایاں بازو مسلمانوں اور اقلیتوں سے متعلق بعض مسائل میں گو مثبت رویہ رکھتا ہے لیکن چوں کہ اشتراکیت کی بنیاد ہی لامذہبیت پر ہے اس لئے وہ مسلم پرسنل لا یا کسی بھی مذہبی قانون کے باقی رہنے کا مخالف ہے اور یہ اس کی علانیہ پالیسی ہے، جسے اس نے کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے، دوسری طرف قانون میں تبدیلی کے لئے دوتہائی اکثریت کی ضرورت ہے اس لئے اس دوران بھی پارلیمنٹ کے ذریعہ ایسی کوشش ممکن نہیں تھی، اب پھر U.P.A کی سرکار ہے اور گو اب بھی افرادی قوت کے اعتبار سے وہ قانون میں تبدیلی لانے کے موقف میں نہیں ہے لیکن بعض اپوزیشن جماعتوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کے موقف کی تائید کریں گی چنانچہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس سلسلہ میں کوششیں شروع کردی ہیں، ان کوششوں کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اسے سڑک پر لایا جائے، احتجاج کا موضوع بنایا جائے، اگر ایسا ہوا تو اندیشہ ہے کہ ہمارے ملک کے تنگ نظر ذرائع ابلاغ اس کو منفی انداز پر پیش کریں گے، فسطائی طاقتیں اسے مسلم مخالف فضا بنانے کے لئے استعمال کریں گی اور خدانخواستہ صورت حال اسی طرح پیدا ہوجائے گی، جو بابری مسجد کے قضیہ میں پیدا ہوئی، اس لئے بورڈ کی سوچ یہ ہے کہ وہ حکمت کے ساتھ گورنمنٹ سے رابطہ قائم کرتے ہوئے پُرامن طور پر اس مسئلہ کو حل کرے لیکن ایسی کوششیں راتوں رات ثمرآور نہیں ہوتیں، اس کے لئے طویل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

یہ تو مسئلہ کو حل کرنے کی سیاسی جہت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عدالتی سطح پر بھی بورڈ نے کبھی غفلت نہیں برتی، اس وقت بورڈ بابری مسجد کی حقیت کے تاریخی مقدمہ کے علاوہ وشوا لوچن کی طرف سے سپریم کورٹ میں نظام دارالقضاء کے خلاف دائر ہونے والے مقدمہ میں پیروی کررہا ہے، جس میں خود مدعی نے بورڈ کو مدعا علیہ بنایا ہے، دوسرے لے پالک کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینے کے سلسلہ میں شبنم ہاشمی کی طرف سے دائر شدہ مقدمہ میں فریق بنا ہے، تیسرے شریعت کے قانون میراث کے سلسلہ میں کیرالا ہائی کورٹ میں نام نہاد ''قرآن وسنت سوسائٹی'' اور ''مسلم ویمن فورم'' کی طرف سے دائر کئے جانے والے مقدمہ میں فریق بننے کے لئے کوشاں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا وجود نہ ہوتا تو جو کام آج عدالتیں دھیرے دھیرے کررہی ہیں، اس کو علی الاعلان حکومت نے کیا ہوتا اور اسے اپنے ایسے اقدامات کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہوتا لیکن بورڈ کی بیدار مغزی اور چوکسی کی وجہ سے حکومت کو ایسی قانون سازی کی جرأت نہیں ہوسکی، اس کے علاوہ بورڈ تحفظ شریعت کے لئے کئی مثبت کام بھی انجام دے رہا ہے، ان میں ایک اصلاح معاشرہ کا کام بھی ہے، بورڈ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں شریعت کا ایسا احترام پیدا کیا جائے کہ وہ از خود اپنے آپ کو شریعت پر قائم رکھیں چنانچہ پورے ملک میں یہ تحریک چل رہی ہے اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس موضوع پر لٹریچر کی اشاعت عمل میں آئی ہے، جب سے بورڈ نے اصلاح معاشرہ کی تحریک شروع کی ہے، ہندوستان میں مختلف تنظیمیں، جماعتیں اور ادارے اس موضوع پر کام کرنے لگے ہیں اور جلسۂ سیرت النبیؐ کی طرح جلسۂ اصلاح معاشرہ بھی مسلمانوں کے اجتماعات اور علماء کے خطابات کا ایک اہم عنوان بن گیا ہے، اگرچہ کہ منکرات کی اشاعت وتبلیغ کے ذرائع اتنے ہمہ گیر اور دوررس اثرات کے حامل ہیں کہ ان کا مقابلہ دشوار سا ہوگیا ہے لیکن پھر بھی ان کوششوں کے بہتر اثرات مرتب ہورہے ہیں اور نوجوان ذہن میں تبدیلی آرہی ہے۔

تحفظ شریعت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے قانون داں یہاں تک کہ مسلمان قانون داں بھی یا تو شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہیں یا ان احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہیں، اس کی وجہ سے وہ بعض اوقات عدالتوں میں بھی شریعت کی غلط ترجمانی کرتے ہیں چنانچہ ملک کے ان شہروں میں جہاں ہائی کورٹ بنچ ہے، تفہیم شریعت کمیٹیاں قائم کی

جارہی ہیں، دہلی، لکھنؤ اور اورنگ آباد میں ایسی کمیٹیاں قائم ہوچکی ہیں۔

بورڈ نے عدالتوں کے فیصلوں پر نظر رکھنے کے لئے مستقل لیگل کمیٹی بنائی ہے، اس کمیٹی میں زیادہ تر قانون داں حضرات اور فقہ سے تعلق رکھنے والے بعض علماء شامل ہیں، اس کمیٹی میں سپریم کورٹ کے متعدد وکلاء اور ماہرین قانون بھی شریک ہیں، یہ مختلف ریاستوں کے اہم وکلاء سے بھی اپنا رابطہ رکھتے ہیں تاکہ ہائی کورٹوں کے فیصلے بھی ان کے سامنے رہیں، بورڈ میں اچھی خاصی تعداد قانون دانوں کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بورڈ اس کا اہتمام کرتا رہا ہے کہ اس طرح کے فیصلوں کا ترجمہ کرکے انہیں علماء اور ارباب افتاء تک بھی پہنچایا جائے تاکہ وہ صحیح صورتحال سے واقف ہوسکیں، اور فقہی نقطۂ نظر سے بورڈ کے مقدمات کی پیروی کرنے والے وکلاء کو فقہی معلومات بہم پہنچائی جائے۔

جب بابری مسجد کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس عنوان پر کمیٹی بنی تو بورڈ نے اس مسئلہ کو اپنے ایجنڈہ میں لینے سے اجتناب کیا تاکہ انتشار و افتراق کی فضا نہ پیدا ہو، بدقسمتی سے بعض سیاسی شخصیتوں نے اس مسئلہ کو کچھ اس طرح ڈیل کیا کہ یہ قانونی لڑائی کی بجائے عوامی لڑائی کا میدان بن گیا اور پھر جو کچھ ہوا، وہ سب کے سامنے ہے، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ بعض لوگ بابری مسجد کا سودا کرنا چاہتے تھے، اس موقع پر بورڈ نے مجبور ہوکر اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور فیصلہ کیا کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، اس کی شرعی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، یہ ایک تاریخی فیصلہ تھا، جس نے ایک بہت بڑے خطرہ کا سدباب کیا، آخر نرسمہاراؤ حکومت کی بددیانتی کی وجہ سے بابری مسجد شہید کردی گئی، اور اس سلسلہ میں لبرہان کمیشن بنایا گیا، بورڈ نے لبرہان کمیشن میں بھرپور پیروی کی، جس نے بالآخر فرقہ پرست لیڈروں کو مجرم قرار دیا، بابری مسجد کی ملکیت کا مقدمہ بھی اس وقت بورڈ لڑ رہا ہے اور امید ہے کہ اگر عدالت نے انصاف کو شرمسار نہیں کیا تو مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔

ماضی قریب میں جسٹس کاٹجو نے داڑھی کے سلسلہ میں نہایت ہی قابل افسوس ریمارک کیا اور اس سلسلہ میں بعض نام نہاد مسلمان دانشوروں نے ان کو گمراہ بھی کیا لیکن بورڈ اور اس کے بعض ذمہ داروں کی کوشش سے وہ اپنا ریمارک واپس لینے پر مجبور ہوئے، جو واقعہ ہے کہ عدالت کی دنیا کا ایک اہم واقعہ ہے۔

بورڈ مسلمانوں کی سب سے طاقتور اور متحدہ آواز ہے اسی لئے اسلام دشمن عناصر ہمیشہ اس پلیٹ فارم کو توڑنے کے لئے کوشاں رہے ہیں، پہلے تو کہا گیا کہ یہ بورڈ مسلمانوں کا نمائندہ بورڈ ہی نہیں ہے، پھر ایک حلقہ کی طرف سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقابلہ میں ''مسلم پرسنل لا کانفرنس'' قائم کی گئی، جسے کوئی تائید حاصل نہیں ہوسکی، پھر نام نہاد ''شیعہ پرسنل لا بورڈ'' کی کچھ ایسے لوگوں نے تشکیل کی، جو فرقہ پرست عناصر کے آلۂ کار تھے، اس کے بعد ''خواتین پرسنل لا بورڈ'' کا اعلان ہوا لیکن ان نامسعود کوششوں کو ذرا بھی قبولیت حاصل نہ ہوسکی اور ان کی حیثیت شیر کے مقابلہ میں کھلونے کے مصنوعی شیر کی ہوکر رہ گئی، غرض کہ جو لوگ اپنی اسلام دشمنی کو روشن خیالی کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور جو جماعتیں کھلے عام مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا ایجنڈہ بنائے ہوئے ہیں، وہ بے چین ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ اتحاد پارہ پارہ ہوجائے، بدقسمتی سے گزشتہ دنوں دہلی، حیدرآباد اور بعض دیگر شہروں میں مسلمان صحافیوں اور قانون دانوں کی طرف سے بھی ایسے مضامین سامنے آئے تو افسوس بھی ہوا اور اپنے ان بھائیوں کی سادہ لوحی پر ترس بھی آیا کہ وہ ایسی تحریروں کے ذریعہ اعداء اسلام کے سوا اور کس کو تقویت پہونچا رہے ہیں؟ اگر انہیں بورڈ سے شکایت تھی --- جو زیادہ تر ناواقفیت پر مبنی ہے --- تو وہ براہ راست بورڈ کے ذمہ داروں سے گفتگو کرسکتے تھے اور اپنی شکایت پیش کرسکتے تھے، اس کے بجائے ہر مسئلہ کو ذرائع ابلاغ کا عنوان بنا دینا موجودہ حالات میں اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے، ----- کاش ہم سمجھ داری سے کام لیں، نقش دیوار کو پڑھیں اور حالات کے تیور کو پہنچانیں کہ قومیں جوش و جذبہ سے کامیابی کا سفر طے نہیں کرتیں، غور و فکر اور تدبر کے ذریعہ منزل تک پہنچتی ہیں!

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اور

تحریک اصلاح معاشرہ

(مولانا) محمد اسلام قاسمی

(رکن میقاتی بورڈ، دیوبند)

تحفظ شریعت اور مسلم عائلی قوانین کی بقا کے عنوان سے ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں منعقدہ ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' میں ہندوستان بھر سے آئے مشائخ عظام، علماء کرام، مسلم دانشوران، ماہرین قانون داں اور تقریباً تمام مسلم تنظیموں، جماعتوں اور تعلیمی اداروں کے نمائندوں کی شرکت نے مسلمانوں کیلئے اجتماعی اور متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دینے کی داغ بیل ڈال دی، جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی شکل میں حیدرآباد کے اجتماع عام ۱۹۷۳ء میں منظر عام پر آئی۔ اتحاد امت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کا ایسا تاریخی اور عظیم الشان نظارہ تاریخ ہند میں پہلے نظر نہیں آیا تھا۔

ابھی اس بورڈ کی ابتدا تھی اور اس میں قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عالمی شخصیت اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی دوررس نگاہ اور جرأتمندانہ فعال شخصیت کی قیادت میں مسلم عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) کے تحفظ اور اس کی اہمیت عام مسلمانوں تک پہنچانے کا ابتدائی مرحلہ جاری تھا کہ ملک میں ایمرجنسی نافذ ہوگئی جو عام شہریوں کیلئے پر آشوب دور تھا اور اس دوران حکومت کی جانب سے قانون ضبط ولادت کی جبری تنفیذ نے مسلمانوں کیلئے سخت دشواری پیدا کردی، مگر علماء دین اور اراکین بورڈ نے جبری نسبندی کے خلاف مسلمانوں کا موقف واضح کردیا، ضبط تولید کی اسلامی شریعت میں لازمی پابندی کی گنجائش نہیں ہے، اس کے لئے بورڈ نے مجلس عاملہ کا فیصلہ اور شرعی حکم پر مشتمل پمفلٹ اور کتابچے شائع کئے اور عام مسلمانوں تک پہنچائے۔

اسی طرح حکومت کی جانب سے صادر ہونے والے بعض قوانین یا عدالتوں کے ذریعہ جاری بعض فیصلوں کا مرحلہ بھی آیا، یہ وہ بل یا فیصلے تھے جو مسلمانوں کے عائلی قانون کے مخالف تھے، جب کہ دستور ہند کی روشنی میں ہندوستان میں رہنے والے تمام افراد کیلئے مذہبی آزادی کی بات موجود تھی، اور یہ صراحت بھی کہ کسی مذہب کے ماننے والوں کے معاشرتی قوانین میں نہ کوئی مداخلت ہوگی، نہ ترمیم وتبدیلی۔ اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے حکومت اور عدالت کے سامنے قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ عدالتوں کو اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرنی پڑی اور حکومت (مرکزی یا ریاستی) کو اس طرح کی قانون سازی ملتوی کرنی پڑی۔

اب ہندوستانی حکومت اور عدلیہ کو مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسکی جدو جہد کی حیثیت جاننے اور اس کی اہمیت ماننے کا وقت آچکا تھا، دوسری طرف ہندوستان کی ہر ریاست اور ہر علاقے میں بورڈ کی پہچان بھی ہونے لگی، اس کی خدمات کم از کم اہل علم کی نظروں میں واضح ہوگئیں، مگر حقیقتاً بورڈ کو پورے ملک میں، ہر علاقے میں، شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں، اہل علم میں بھی اوران پڑھ لوگوں میں بھی، خاص طور پر مسلمانوں میں اور عام طور پر ملک کے تمام باشندوں میں اہمیت اور شہرت معروف زمانہ مقدمہ ''شاہ بانو کیس'' میں حاصل ہوئی، ایسی زبردست جدوجہد کی ملک گیر تحریک اور علماء وقائدین ملت کی دانشمندانہ قیادت نے بورڈ کی آواز کو قوت اور معتبریت دیدی۔

واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اغراض ومقاصد کی

فہرست طویل ہے، مگر عملی طور پر بورڈ نے اپنا دائرہ کار اس زمانے تک محدود ہی رکھا تھا، حکومت یا عدالت کا کوئی ایسا فیصلہ جو مسلمانوں کی شریعت میں مداخلت یا تبدیلی کی صورت میں ہو، اس کا جواب اور پرسنل لا کا دفاع ہی بنیادتھی، اور یہ تمام مسالک کے مسلمانوں کا اجتماعی مسئلہ تھا، اس لئے بورڈ نے ان حدود تک ہی خود کو محدود رکھا تھا، مگر شاہ بانو کیس کے بعد اس وقت کے صدر محترم حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی رائے ومشورہ نیز دیگر ذمہ داران بورڈ کی تحریک پر اس کا دائرہ بڑھایا گیا، شرعی عدالت (دارالقضاء) کا قیام اور مسلمانوں سے اس بات کی اپیل کہ وہ اپنے مقدمات (خاص طور پر اپنے عائلی قوانین میں) کیلئے ان شرعی عدالتوں سے رجوع کریں، بورڈ کے ان خاص اقدامات میں سے ہے جس کا مقصد مسلمانوں میں دینی بیداری اور قوانین شریعت پر عمل کرنے کی ترغیب کی صورت میں تھا۔ بہرصورت بورڈ کے سربراہوں نے سیاسی یا عام سماجی الجھنوں سے بورڈ اور اس کی کارکردگی کو دور ہی رکھا، اسلئے بھی کہ ملّی مفاد اور مصلحت کا تقاضہ بھی یہی تھا کیونکہ مسلمانوں کے ذریعہ قائم کردہ دوسری تنظیمیں اور جماعتیں یا ادارے ان خدمات کو انجام دے رہے تھے۔

پھر ۱۹۹۲ء کی ۶؍دسمبر کو وہ منحوس واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کیلئے سخت ترین سانحہ اور ملک کیلئے ایک بدنما داغ بن گیا، واقعہ تھا بابری مسجد کے انہدام کا، مبینہ طور پر حکومت وقت کی ایماء پر یا اس کی لاپرواہی سے فرقہ پرست عناصر نے قدیم تاریخی مسجد کو منہدم کردیا، تو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس مسئلے کو عدالت کے ذریعہ حل کرنے کی کوششیں تیز کردیں اور پندرہ علماء دین و ماہرین قانون ووکلاء پر مشتمل ایک کمیٹی بابری مسجد کمیٹی کے نام سے بنا کر بابری مسجد کی بازیابی کیلئے عدالتوں میں مقدمات دائر کئے۔

۱۹۹۳ء کے جے پور اجلاس کے بعد بورڈ نے اپنے فیصلوں کو عام کرنے کی غرض سے اپنے دائرہ کار میں کچھ وسعت دی اور عام مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے عائلی معاملات مقامی سرکاری عدالتوں میں لے جانے کی بجائے شرعی عدالتوں میں حل کرائیں، اسی طرح اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز کیا گیا۔

واضح رہے کہ آزاد ہندوستان میں شرعی عدالتوں کے ذریعہ نکاح، طلاق، خلع اور میراث جیسے مسائل کو حل کرنے کا سلسلہ مختلف ریاستوں میں پہلے ہی سے جاری تھا، اسمیں خاص طور پر امارت شرعیہ پٹنہ کا نام سرفہرست ہے، جس کی خدمات کا دائرہ پورے ملک تک وسیع ہے، بیسویں صدی کی ابتدا ہی میں قائم کردہ اس ادارے نے پہلے بہار واڑیسہ میں دارالقضاء قائم کئے پھر اسکا سلسلہ آگے بڑھایا اور مغربی بنگال وجھارکھنڈ کے علاوہ ملک کے دوسرے علاقوں میں دارالقضاء قائم کرکے شرعی احکام کے مطابق فیصلے کئے، اسی طرح کرناٹک میں بھی امارت قائم ہوئی اور بعض ملّی جماعتوں نے محکمہ شرعیہ کی بنیاد ڈالدی، مگر چونکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام علاقوں کا معتبر اور مرکزی ادارہ ہے، اسلئے بورڈ سے بھی دارالقضاء کے قیام کے مطالبے ہوتے رہے، پھر جب بورڈ کے دہلی اجلاس ۱۹۹۱ء میں اصلاح معاشرہ کی مہم شروع کرنے کا اعلان ہوا تو بعض مسلم تنظیموں کے نمائندوں نے وضاحت کی کہ ان کی جماعت پہلے ہی سے اصلاح معاشرہ کا کام انجام دے رہی ہے، اور یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ عام مسلمانوں کی اصلاح اور ان کو دین و دینی احکام کی جانب راغب کرنے اور ان پر عمل پیرا کرنے کی جدوجہد مختلف صورتوں میں پہلے ہی سے جاری تھی، برطانوی غلبے کے زمانے سے ہی یہ خدمت اسلامی مدارس، مسلم جماعتیں اور علماء ومشائخ انجام دے رہے تھے، ملک کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، دینی مدارس کے اساتذہ، فضلاء اور ائمہ مساجد وخطباء اپنے اپنے حلقوں اور دائرہ اثر میں وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دیتے رہے، پھر کچھ مسلم تنظیموں اور جماعتوں نے اپنے لائحہ عمل کا ایک حصہ بنالیا، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، جمعیۃ علماء ہند اور جماعت اسلامی جیسی معروف تنظیموں کے عملی ایجنڈوں میں شامل رہا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ خدمات مخصوص حلقوں اور علاقوں تک محدود رہیں اور اب ضرورت محسوس ہورہی تھی اور ملکی حالات میں تبدیلیوں کے نتیجے میں مطالبوں کی شکل میں آوازیں بلند ہوئیں کہ اصلاح معاشرہ کو ایک ملک گیر

تحریک اور مہم کی صورت دے دی جائے۔

بالآخر مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا، علماء کرام، بورڈ کے معزز اراکین اور قائدین سے درخواست کی گئی کہ اصلاح معاشرہ مہم کو عام کیا جائے، عام مسلمانوں میں جا کر جلسوں، نشستوں اور دوسرے پروگراموں کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کی خوبیاں بتائی جائیں، رسوم ورواج اور غیر اسلامی روایتوں کے سلسلے میں جو برائیاں اور خرابیاں معاشرہ اور سوسائٹی میں عام ہیں ان پر توجہ دلا کر ان میں دینی احکام اور اسلامی تعلیمات کی جانب متوجہ کیا جائے اور شریعت پر عمل کرنے پر زور دیا جائے، پھر بورڈ کے اجلاس منعقدہ مونگیر میں باضابطہ طور پر اس مہم کیلئے ایک کمیٹی ''اصلاح معاشرہ کمیٹی'' قائم کی گئی، جسکے کنو ینز اور نگراں حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی زید مجدہٗ (سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ وسرپرست جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر) متعین کئے گئے۔

اس طرح تحریک اصلاح معاشرہ عملی طور پر سرگرم ہے، خود کنو ینز محترم ملک کی مختلف ریاستوں میں وفد کی شکل میں دورے فرماتے ہیں اور وعظ وخطاب کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کی واضح صورتیں سامنے رکھتے ہیں اور عام مسلمانوں میں معاشرہ کی اصلاح کی ترغیب دیتے ہیں، اور تحریری طور پر بھی اس خدمت کو انجام دیا جاتا ہے، اسکے لئے پمفلٹ، کتابچے اور رسالے شائع کر کے عوام تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ خود اراکین بورڈ میں سے علماء کرام بھی اس تحریک کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں، اپنے اپنے حلقے اور علاقے میں گاہے بگاہے اجلاس کی صورت میں، اجتماعات، نشستوں میں اور سیمینار وغیرہ میں بھی اصلاحی خطابات اور تحریر کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کی اہمیت، شرعی احکام پر عمل آوری اور غیر اسلامی رسوم وروایات کو ختم کرنے پر زور دیتے ہیں، ان کی یہ مساعی انفرادی صورت میں بھی ہوتی ہے اور اجتماعی نوعیت کی بھی۔

مزید یہ کہ جب کسی شہر میں بورڈ کا عمومی اجلاس منعقد ہوتا ہے تو استقبالیہ کے اراکین اور بورڈ کے معزز علماء عظام ومدعوئین کرام کو وہاں کی مسجدوں میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کیلئے متعین کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں میں مسلم پرسنل لا کی خصوصیات اور بورڈ کی اہمیت کے ساتھ اسلامی معاشرہ بنانے کی راہیں ہموار ہوں، ان میں اسلامی طرز نکاح، طلاق اور اسلامی طرز زندگی کے فوائد وضرورت پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے، پھر اس موقع پر منعقد ہونے والے اجلاس عام میں تمام اراکین عاملہ و دیگر علماء حضرات کی تقریریں ہوتی ہیں، یہ اجلاس عام ملک میں انفرادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، لاکھوں کی تعداد میں شریک ہونے والوں کے سامنے ملکی عدالتوں یا حکومت کی جانب سے کئے گئے غیر اسلامی فیصلے اور دیگر تجاویز وغیرہ پیش کی جاتی ہیں، اسلامی طرز زندگی، عائلی قوانین کی اہمیت، دارالقضاء کی جانب رجوع کرنیکی ترغیب نیز عام مسلمانوں کو شعائر اسلام اور شریعت پر پابند رہنے کی تلقین پر مشتمل خطابات ہوتے ہیں، ملک میں صالح معاشرہ ہی ملک وملت میں امن وامان اور خوشحالی کا ضامن ہے۔ تمام اجلاس میں عام مسلمانوں کیلئے یہ ایک پیغام ہوتا ہے۔

❁ ❁ ❁

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات
فارم (۴) قاعدہ نمبر (۸)

رسالہ کا نام: سہ ماہی خبر نامہ

مقام اشاعت: نئی دہلی

مدت اشاعت: سہ ماہی

پرنٹر، پبلیشر وایڈیٹر کا نام: سید نظام الدین

قومیت: ہندوستانی

پتہ: ۷۶ اے/۱، مین بازار اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں سید نظام الدین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

دستخط

سید نظام الدین

مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی بسلسلۂ اصلاح معاشرہ

شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی

(رکن اساسی بورڈ، بنگلور)

''اصلاح معاشرہ'' کا خوبصورت لفظ آج نہ جانے کتنے حلقوں میں بار بار استعمال ہو رہا ہے، نہ جانے کتنی انجمنیں اور جماعتیں اسی مقصد کے لئے قائم ہیں، روزانہ کتنے جلسے اور اجتماعات اسی کام کے لئے ہو رہے ہیں، حکومت کی سطح پر بھی ''اصلاح معاشرہ مہم'' کے اعلانات وقتاً فوقتاً سننے میں آتے رہتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود نتائج کو دیکھئے تو حالت یہ ہے کہ ۔ چل چل کے پھٹ چکے ہیں قدم، اسکے باوجود...... اب تک وہیں کھڑا ہوں، جہاں سے چلا تھا میں۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ ساری اجتماعی کوششیں اتنی رائیگاں کیوں جا رہی ہیں؟ اصلاحِ حال کی کوئی جد وجہد کامیاب کیوں نہیں ہوتی؟ صورتِ حال سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے اور وہ یہ کہ ''اصلاح معاشرہ'' کے نام پر کی جانے والی ان کوششوں کا رخ صحیح نہیں ہے، ان کوششوں میں وہ صفات نہیں پائی جاتیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت کو متوجہ کر سکیں، اگر ہماری یہ کوششیں صدق واخلاص کے ساتھ صحیح رخ پر اور درست سمت میں ہوتیں تو ممکن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی اور ان کے بہتر نتائج برآمد نہ ہوتے۔ (بحوالہ ماہنامہ گلشن سعید بنگلور شمارہ مئی ۲۰۱۰ء)۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی جو ایک جہاں دیدہ عالم دین ہیں، نے اصلاح معاشرہ کے تعلق سے مندرجہ بالا عبارت میں جس نکتہ ''صحیح رخ پر اور درست سمت میں'' کو واضح کیا ہے، وہ قابل غور ہے اور لائق توجہ ہے۔

صحیح رخ و درست سمت کے بارے میں یہ رفاعی فقیر اپنی صواب دید پر تحریر کرتا ہے کہ ''نوجوان طبقہ'' کی ذہن سازی ''اصلاح معاشرہ'' کے لئے صحیح رخ ہے درست سمت ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ ایسا ہے جس میں بگاڑ تیزی سے آتا ہے اور جب وہ اصلاح پر آمادہ ہو تو بہت جلد کامیاب بھی ہو جاتا ہے، غالباً اس کی وجہ عنفوان شباب کا دور اور نوجوانی کا زمانہ ہے۔ نوخیز بچے بچیاں، نوجوان لڑکے لڑکیاں، ادھیڑ عمر مرد وعورتیں اور بڑی عمر کے لوگ، یہ سبھی معاشرے کا حصہ ہیں، سب کی اصلاح مقصود ومطلوب ہے کیونکہ انہیں اکائیوں پر معاشرہ مشتمل ہوتا ہے، لیکن کم عمر بچے بچیوں کی بگڑی عادات و اطوار کو کبھی کبھی یوں کہکر نظر انداز کیا جاتا ہے کہ وہ ابھی بچے ہیں، ناسمجھ ہیں، دھیرے دھیرے سدھر جائیں گے، گویا انکی کم عمری وبچپن کو ایک طرح کا عذر سمجھ لیا جاتا ہے اور بڑی عمر کے لوگوں میں نسبۃً متانت وسنجیدگی ہوتی ہے، توجہ دلانے پر وہ اصلاح کی ضرورت وافادیت کو، اہمیت دیتے ہیں اور مائل بہ اصلاح ہوتے ہیں، لیکن نوجوانوں میں ولولے، خواہشات اور جذبات بہت تیز اور پرجوش ہوتے ہیں اسلئے بسلسلۂ اصلاح ذات واصلاح معاشرہ، انکی ذہن سازی بہت ہی ضروری ہے تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

جس طرح نوجوانوں کی عادات وطبائع، انکے خصائل واطوار میں، اگر وہ بگڑیں تو جسطرح بہت بگاڑ آتا ہے، اسی طرح اگر تلقین وترغیب سے اگر وہ سنبھل جائیں، سدھر جائیں، سنور جائیں تو صدق وصداقت، امانت ودیانت، انفاق وسخاوت، تقویٰ وطہارت، جرأت وشجاعت، مجاہدہ و ریاضت، اطاعت وعبادت اور امداد وخدمت وغیرہ اوصافِ حمیدہ میں افضل واعلیٰ ہوتے ہیں اور امتیازی درجہ میں ہر طرح کی نیکیوں بھلائیوں اور خوبیوں پر وہ نہایت پامردی سے گامزن رہتے ہیں۔ ایسے صالح نوجوان اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق انکے شامل حال رہی تو معاشرے کی ایک بہت بڑی تعداد کو وہ اپنا ہمنوا، ہم مزاج اور ہمراہی بنا سکتے ہیں، اسلئے کہ عمر کے تقاضے کے تحت انکے اندر ہمت وجرأت ہوتی ہے اور محنت ومشقت کی خوب لگن ہوتی ہے، چنانچہ وہ جس کام کا بیڑا اٹھائیں، اسکو مکمل کر کے رہتے ہیں۔

بلاشبہ معاشرے کا نوجوان طبقہ اگر سدھر سنبھل جائے تو اس کا پورے معاشرے پر اثر ہوتا ہے اور یہ طبقہ بگڑ جائے تو اس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، اسلئے معلمین ومربین اور مزکیین کو چاہئے کہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس کی جانب بطور خاص توجہ کریں (بقیہ صفحہ: ۵۶ پر)

نکاح کے لئے رشتوں کے انتخاب کا شرعی معیار

مفتی احمد نادر القاسمی

(اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی)

خاندانی نظام:

ارشادِ ربانی ہے: "یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلق کم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء" (سورہ نساء)۔ اللہ رب العالمین نے انسان، بلکہ ہر جاندار کے خاندانی نظام کو نر اور مادے Male/ Female کے جنسی ملاپ سے مربوط کیا ہے "وجعلنا من الماء کل شئ حی وجعلہ نسباً وصھراً" مگر انسان اور دیگر جاندار کے درمیان یہی فرق رکھا ہے کہ دیگر جاندار اپنی نسل کی بقاء اور جنسی تسکین کے لئے ہر قسم کے قید و بند سے آزاد ہیں اور انسان کو خالق کائنات نے اس باب میں آزاد نہیں چھوڑا ہے، بلکہ عزت و عصمت اور عفت و پاکدامنی اور حسب و نسب کے تحفظ کے پیش نظر اس کی آزادی کو ایک دائرے تک محدود کیا ہے، نہ اتنا محدود کہ انسان اپنی فطری خواہش کی تکمیل اور بقائے نسل کے لئے کسی طرح کی حرج و تنگی میں مبتلا ہو جائے اور نہ ہی اتنی آزادی کہ شرم و حیاء، غیرت انسانی، پاکدامنی کی حدوں کو عبور کر جائے، چنانچہ اسلام نے فطری خواہشات کی تسکین اور افزائش نسل کے لئے اس اصول کو پیش نظر رکھا جس میں انسان کسی بھی زوایئے سے طبعی طور پر انقباض اور ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے یا طبی اور جینی لحاظ سے بھی نقصان دہ ثابت نہ ہو، اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں سے نکاح اور جنسی تسکین کی حرمت بیان فرمائی جن سے فطری طور پر اس عمل میں رکاوٹ محسوس کر سکتا تھا جو اس کا بشری تقاضا ہے، جیسے ماں، بیٹی، دادی، نانی، خالہ، پھوپھی، بہن بھانجی، بھتیجی اور بغیر نکاح کے دوسری حلال عورتیں وغیرہ۔

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے:

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

"حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم وأخواتکم وعماتکم وخلاتکم وبنات الأخ وبنات الأخت وأمھاتکم الّٰتی ارضعنکم ......وأن تجمعوا بین الأختین إن ما قد سلف إن اللہ کان غفورا رحیماً"(سورہ:۳۲)۔

(حرام کردی گئیں ہیں تمہارے اوپر (نکاح کے لئے) تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں اور تمہاری بہنوں کی بیٹیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے......اور یہ کہ تم دو سگی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لاؤ، البتہ ماضی میں جو ہوگیا سو ہوگیا، یقیناً اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے) یہ خواتین کا وہ گروہ ہے جو ابدالآباد تک کے لئے حرام ہے، ان کے علاوہ وہ خواتین بھی ہیں جو ایک مدت تک کے لئے حرام ہیں، اور عارض کی وجہ سے ان سے نکاح کی حرمت آئی ہے، جب وہ عارض ختم ہو جائے تو پھر وہ حلال ہو جاتی ہیں مثلا:

۱- بیوی کی سگی بہنیں، ان کی خالہ، پھوپھی، چچی، بھتیجی، بھانجی اور ان کی رضاعی بہن وغیرہ ان سے نکاح اسی وقت تک ممنوع ہے جب تک بیوی نکاح میں ہے۔

۲- وہ مشرکہ عورتیں جو مسلمان نہیں ہیں ان سے بھی نکاح جب تک کفر و شرک پر وہ باقی ہیں، نکاح حرام ہے، البتہ جب وہ مسلمان ہو جائیں تو ان سے نکاح حلال ہے؛ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

"ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمنّ" اسی طرح ایک کافراور مشرک مرد سے بھی ایک مسلمان عورت کا اس کے کفر پر باقی رہتے ہوئے نکاح حرام ہے، آج کل یہ مرض ہمارے معاشرے میں مختلف وجوہات کی وجہ سے بڑھ رہا ہے کہ مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے شادیاں کررہی ہیں، یہ بہت خطرناک بات ہے، چاہے وہ دنیاوی حیثیت میں کتنے صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں، ان سے ایک مسلم لڑکی کا نکاح کرنا حرام ہی رہے گا، کالج اور یونیورسٹیز کے آزادانہ اوراختلاط زدہ ماحول نے اس کو بڑھاوا دیا ہے، والدین اور ذمہ داران کو سختی کے ساتھ اس پر توجہ دینی چاہئے، اس کی وجہ سے مسلم لڑکیاں نعوذ باللہ مرتد بھی ہورہی ہیں۔ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔؟؟؟؟

۳- اہل کتاب: یہودی، اور نصرانی عورتیں اگر چہ وہ اپنے مذہب پر قائم ہوں ان سے نکاح کو قرآن نے مباح قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اگر چہ موجودہ دور میں بعض علماء اس کو منع کرتے ہیں، اور اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ اہل کتاب اب وہ اہل کتاب نہیں رہے جن کا ذکر قرآن میں ہے، ان کی یہ بات ممکن ہے خاص پس منظر میں درست ہو، مگر چونکہ قرآن نے اس کی اجازت دی ہے اور حال اور مستقبل سے اللہ ہی واقف ہے، اور اس نے اس کی مطلق اجازت دی ہے، اس لئے وہ حکم اٹل اور قیامت تک کے لئے ہے، نبی خاتم المرسلینؐ کی رحلت کے بعد اس حکم کو منسوخ کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے:

اس کے بعد قرآن نے ان عورتوں کی طرف نشاندہی کی جن سے نکاح کرنا حلال ہے، اور یہ تعلیم دی کہ حلال عورتوں سے جو تمہیں بھا جائیں ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ان سے نکاح کرلو اور اس نکاح کے پیچھے محض جنسی تسکین اور موج ومستی کا جذبہ نہیں، بلکہ دونوں کے ایمان اور عفت وعصمت کے تحفظ کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے، چنانچہ ارشاد فرمایا: "وأحل لكم ماوراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين فما استمتعتم به منهن فأتوهن أجورهن فريضة" (سورہ نساء:۲۴)۔

ذات اور برادری کا تصور:

نکاح کے سلسلہ میں اسلام کا سادہ اور واضح اصول یہ ہے کہ شادی کے لئے دونوں کے درمیان صرف اور صرف ایمان، اخلاق وکردار اور دینداری میں مماثلت اور برابری ہونی چاہئے، البتہ سماجی اعتبار سے ان معیارات ومسلمات کو محض مستقبل میں دونوں کے درمیان نکاح کی پائے داری کے نقطۂ نظر سے بعض مباح امور کو سامنے رکھنے کی گنجائش ہے تاکہ دونوں طبعی لحاظ سے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوجائیں اور بجائے نکاح کے بارآور ہونے کے دونوں مشکلات ومسائل میں الجھ جائیں اور دونوں میں دوریاں پیدا ہونے لگیں۔ اس حد تک رشتہ کی پائیداری کے مقصد سے مباح امور کو پیش نظر رکھنا چاہئے، دنیوی لحاظ سے کسی چیز کو باعث وقار وشرافت قرار دیکر نہیں دیا جاسکتا، موجودہ دور میں ذات اور برادری نے، رشتوں کے انتخاب نے جو معیار حاصل کرلیا ہے، اسی طرح ہمارے راجستھان اور میوات کے بعض علاقوں میں جو گوتھ کا تصور ہے اور اسے فرض اور واجب کے درجہ میں رکھا جاتا ہے وہ جاہلیت پر مبنی اور سراسر غیر اسلامی ہے۔

نکاح کی حیثیت:

ہماری شریعت کے مطابق نکاح ایک عبادت بھی ہے، انسانی ضرورت بھی ہے، اور بقائے نسل انسانی کے لئے ضروری اور لازم بھی ہے، اسی لئے نبی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من استطاع منكم الباءة فليتزوج" (مشکوٰۃ/)، (کہ تم میں کا جو شخص نکاح کی صلاحیت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ شادی کرے)۔

نیز نکاح مردوں کی بھی بشری ضرورت ہے اور عورتوں کی بھی، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مرد وعورت کی تخصیص کے ارشاد فرمایا: "النكاح من سنتي، وفي رواية: من رغب عن سنتي فليس مني" (حدیث)۔

شریعت سے ثابت شدہ یہ وہ امور ہیں جو اس دینی فریضہ اور انسانی ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہیں۔

نکاح کو آسان بنانا اور مادی لالچ سے دور رکھنا:

شریعت اسلامی نے نکاح کو نہایت ہی آسان ترین پیرائے میں انجام دینے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''**إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة**'' (حدیث)، (کہ یقیناً سب سے خیر و برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو)۔

آج کے معاشرے کی بدقسمتی ہے کہ اس نے اس آسان عمل کو دشوار سے دشوار تر کر دیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ آج معاشرے میں جنسی انارکی، بے حیائی اور عریانیت بڑھتی جارہی ہے، اور جن کے پاس ایک سے زائد بچیاں ہیں وہ بچیوں کی شادی کے انتظامات میں ہی اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزار دے رہے ہیں، اس کا دوسرا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ بچیوں کی عمر کا قیمتی حصہ حالات کی اس ستم ظریفی کی نذر ہوتا جارہا ہے اور وہ زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم رہ جارہی ہیں۔ ظاہر ہے یہ عظیم خسارے محض ہماری اور معاشرہ کی بے راہ روی اور شریعت سے بغاوت ہی کی دین ہیں۔ شریعت کا صاف ستھرا اصول یہ ہے کہ نکاح کے نتیجہ میں مردوں پر مہر کی شکل میں مال لازم ہوتا ہے، اور ذمہ داریوں کی شکل میں نفقہ، اور عورتوں پر اپنے شوہروں کے ساتھ وفاداری اور زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے خوشگوار اعانت اور فرماں برداری، اور کچھ نہیں، جیسا کہ آیات قرآنی: ''**أن تبتغوا بأموالكم**'' (سورہ نساء:۲۴)، اور: ''**وأتوا النساء صدقاتهن نحلة، فإن طبن لكن من شئ فكلوه هنيئاً مريئاً**'' (سورہ نساء:۴)، اور ابوداؤد، کتاب النکاح کی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

گویا شریعت نے کسی بھی حال میں عورتوں اور ان کے اولیاء پر نکاح میں مال خرچ کرنے کا ان کو مکلّف نہیں بنایا، نیز آج کے معاشرے میں خواتین سے ملازمت کروانے یا خود ان کا ملازمت کے لئے آگے آنے کا رجحان بھی اسی ظلم کا حصہ ہے، خواہ اس کو عورتوں کی ترقی کا نام دیا جائے، یا برادران وطن کے مقابلہ زندگی کے میدان میں پیچھے رہ جانے کا بہانہ بنا کر ان کو ملازمت کے لئے آمادہ کیا جائے، مگر ہے یہ عورتوں کی ذمہ داری اٹھانے سے راہ فرار کا راستہ، جو خواتین پر ظلم ہے۔

رشتوں کے انتخاب کا معیار:

شریعت نے رشتوں کے انتخاب میں انسان کی دینداری اور شرافت کو معیار قرار دیا ہے اور ترجیح بھی اسی کو دیا ہے۔

چنانچہ عورتوں کے انتخاب کے سلسلہ میں حدیث میں وارد ہے: ''**تنكح المرأة بأربع خصال بمالها وبدينها، وبحسبها وبجمالها تربت يداك فاظفر بذات الدين**'' (ابن ماجہ)۔

(کہ عورتوں کا شادی کے لئے لوگ عام طور سے چار چیزوں کی وجہ سے انتخاب کرتے ہیں: یا تو مالداری کی وجہ سے یا دینداری کی وجہ سے، یا حسب ونسب کی وجہ سے یا پھر حسن و جمال کی وجہ سے، اس کے بعد آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ برکت سے بھر دے، تم دینداری کو اختیار کیا کرو اس میں بڑی کامیابی ہے)۔

معلوم ہوا کہ معاملہ خواہ لڑکی کے انتخاب کا ہو یا لڑکے کے انتخاب کا، دینداری کو ترجیح دینی چاہئے یہی باعث خیر و برکت ہے۔

نکاح میں تاخیر کے مضر اثرات:

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ لڑکا معاشی اعتبار سے مضبوط ہو، وسائل زندگی سے آسودہ ہو یہ سوچ کسی بھی قیمت پر شریعت سے ہم آہنگ نہیں ہے، بلکہ مشاہدہ ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اس طرح کی چیزوں کو پیش نظر رکھ کر رشتہ کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ محرومیوں اور ناکامیوں کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ بھی بڑی خرابی ہے اور اسی کی وجہ سے بے شمار سماجی فسادات اور برائیاں رونما ہوتی ہیں، لڑکے والے سوچتے ہیں کہ لڑکا جب برسر روزگار ہو جائے گا اور اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو جائے گا تب ہم شادی بیاہ کے لئے سوچیں گے، اور اس کی وجہ سے نکاح میں تاخیر پہ تاخیر

ہوتی چلی جاتی ہے، اور بسا اوقات بچوں میں اس کی وجہ سے والدین سے بغاوت کا رجحان پیدا ہونے لگتا ہے، اور بچے ماں باپ اور ذمہ داروں کی مرضی کے علی الرغم خود سے ہی نکاح کے تعلق فیصلہ کر لیتے ہیں جو دونوں کی زندگی کی ناہمواری کا سبب بنتا اور پھر سارا گھر پریشان ہوتا ہے، اس لئے معاش ومعاد کو نکاح کے سلسلہ میں کبھی بھی معیار نہیں بنانا چاہئے، اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے:

"وانکحوا الأیامی منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم إن یکونوا فقراء یغنیهم الله من فضله والله واسع علیم" (سورہ نور:۳۲)۔

اورتم میں سے وہ لوگ جواب تک نکاح سے محروم ہیں ان کے اور وہ نیک غلام اور باندیاں جن کی اب تک شادیاں نہیں ہوئی ہیں ان کے نکاح کا اہتمام کرو، اگر وہ لوگ معاشی اعتبار سے کمزور بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مالدار اور غنی کردے گا، اور یقیناً اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔

اس لئے جب لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہوجائیں تو فوراً ان کا نکاح کرنا چاہئے، اور نکاح ہی خود ایسی برکت کی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے روزی روٹی کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ فرما دیتا ہے، اور برائیوں سے رکنے کی وجہ سے دونوں میں تقوی اور طہارت بھی پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے فیوض وبرکات سے نہ صرف یہ کہ مرد وعورت مستفیض ہوتے ہیں، بلکہ پورا معاشرہ اور سماج خوش گوار و پر بہار ہوتا ہے۔

رشتہ کے انتخاب میں بعض احتیاطی پہلو:

آج میڈیکل سائنس (فقہ الطب) بہت ترقی کر چکا ہے، فضائی آلودگیوں اور انسان کے اپنے کرتوتوں کے نتیجہ میں خود انسان نہ جانے کتنی مہلک بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا ہے، اور ان کی تشخیص بھی آسان ہوگئی ہے؛ ان بیماریوں، نیز مرد وعورت میں پائے جانے والے متعدی اور کینسر ایڈز جیسے دائمی امراض کی موجودگی نے شادی بیاہ کے باب میں دونوں کو حد درجہ محتاط کردیا ہے، اور یہ ایک حد تک بشری اور انسانی تقاضا بھی ہے کہ انسان ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اسے کسی طرح کے نقصان کا اندیشہ ہو، اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے شریعت نے روکا بھی نہیں ہے۔

اس پس منظر میں یہ بات لائق توجہ ہے کہ ہای جنک نقطہ نظر اور طبی احتیاط کے طور پر اگر مرد وعورت شادی سے پہلے آپس میں ایک دوسرے کا میڈیکل چیکپ کرانا چاہتے ہیں اور ایک دوسرے کی صحت، جنسی اور تولیدی صلاحیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس سے مستقبل میں ازدواجی زندگی مستحکم اور پائدار ہوسکتی ہے، اور اس سلسلہ میں سنت رسولؐ سے رہنمائی ملتی ہے اور خود فقہاء نے نکاح کے استحکام کے مدنظر نکاح میں بعض مباح شرطیں لگانے کی اجازت دی ہے۔

۱- انصاری عورت کے بارے میں حضورؐ کا ان کی آنکھ کے سلسلہ میں فرمانا کہ اسے دیکھ لینا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح میں پہلے ہی آدمی کو محتاط طریقہ اختیار کرنا چاہئے، ازدواجی رشتہ کے قیام کا ایک اہم اور بنیادی مقصد افزائش نسل ہے، اور تسکین اور آرام وراحت ایک دوسرے کی بشری ضرورت جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے؛ **"جعل لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا إلیها وجعل بینکم مؤدة ورحمة"** (سورہ نحل:) اگر اس تعلق سے پہلے ہی اطمینان نہ حاصل کیا گیا تو یقیناً دونوں کے دل میں تشویش پیدا ہوگی اور مقصد نکاح یعنی سکون وراحت اور نسل کی بقاء متاثر ہوگی۔

نیز مقصد عظیم یعنی افزائش نسل اور توالد وتناسل ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"تزوجوا الودود الولود فإني أماثر بکم الأمم"** (مشکوٰۃ:) یہ حاصل نہیں ہوگا، اس لئے احتیاطی طور پر طبی جانچ کی بھی رہنمائی ملتی ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تکثیری سماج میں مسلم امام کی ذمہ داریاں

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
(رکن عاملہ بورڈ، علی گڑھ)

ایک ایسے سماج میں جہاں مختلف عقیدوں اور تہذیبوں کے لوگ رہتے اور بستے ہوں وہاں ہر مذہب کے ماننے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے فرقہ کا پاس ولحاظ رکھیں، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے اور ان کی تذلیل کرنے سے گریز کریں اور باہمی ایثار وتعاون سے کام لیں۔

چونکہ مسلمان ایک نظریاتی قوم ہیں اور خاص عقیدہ وتہذیب کے حامل ہیں اس لئے ان کو تکثیری معاشرہ میں رہنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان احکام وہدایات کی پابندی کرنی چاہیے جو قرآن وسنت میں اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔ مسجدوں کے امام مسلمانوں کے روحانی پیشوا ہوتے ہیں اور اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں قابل عزت ہوتے ہیں اور ان کے خطبات وبیانات کو مسلمان سنجیدگی اور توجہ سے سنتے ہیں لہٰذا ان پر یہ ذمہ داری کچھ اور ہی زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ ان احکام وہدایات پر خود بھی کاربند ہوں اور مسلم سماج میں بھی ان کو جاری وساری کرنے کی کوشش کریں تا کہ ایک صحت مند اور پرامن معاشرہ وجود میں آئے جو تنازع اور تصادم اور فرقہ وارانہ کشیدگی سے پاک ہو۔

مذہب وعقیدہ اور رنگ ونسل اور زبان وتہذیب کا اختلاف فطری ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مذہب وبرادری کے اختلاف کے باجود انسانوں کے مابین ایک رشتۂ اتحاد واخوت پایا جاتا ہے جو اختلاف سے زیادہ فطری اور پائیدار ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ (الحجرات ۱۳)

ایک سچے مسلمان کے لئے اور اس کے مذہبی رہنما کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ اس کے پڑوس میں جو لوگ رہتے ہیں ان کے مذہبی عقائد کیا ہیں ان کی تہذیبی روایات کیا ہیں، اصول حیات کیا ہیں، رسوم و رواج کیا ہیں اور ان کی پسند وناپسند کے معیارات کیا ہیں۔ یہ واقفیت ان سے بہتر تعلقات پیدا کرنے میں، اچھا سلوک کرنے میں اور اپنی بات ان تک پہنچانے میں معاون اور مددگار ثابت ہوتی ہے اور اعتماد واخلاق کا ماحول پیدا ہوتا ہے جو بقائے باہم کی شاہ کلید ہے۔

اسی لئے تمام انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس قوم کی طرف بھیجا ان کی زبان سے واقف کرایا اور ان کے عقیدہ اور تہذیبی اصولوں سے واقف کرایا۔ قرآن کریم میں مختلف قوموں اور ان کے عقیدوں کے جو تذکرے ملتے ہیں اس کا پس منظر یہی ہے۔ مثلاً مشرکین، صابئین، یہود اور نصاریٰ کے مذہبی عقائد اور تہذیبی شعائر کا کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔

دوسرے مذاہب کے عقائد اور تہذیبی شعائر سے واقفیت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے عقیدہ اور تہذیب سے ان کو واقف کرایا جائے اور حکمت ودل سوزی کے ساتھ اپنا نظریہ حیات اور موقف ان کے گوش گذار کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت وحکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔ (النحل ۱۲۵)

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان پر اپنے عقیدے اور تہذیب کو تھوپا نہ جائے اور ان کو اپنا عقیدہ اور نظریہ حیات چھوڑنے پر مجبور نہ

کیا جائے بلکہ فکر و نظر کی آزادی اور تسلیم و انکار کا اختیار باقی رکھا جائے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن اور فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔ کوئی متنفس اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔ اور اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔ (یونس ۹۹،۱۰۰)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیر امت بنایا ہے۔ خیر امت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اور ان کے رہنما عام انسانوں کا بھلا چاہیں، ان کے خیر خواہ بنیں اور ان کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران ۱۱۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو خواہ وہ کسی عقیدہ تہذیب رنگ یا نسل سے تعلق رکھتا ہو محترم بنایا ہے۔ لہٰذا خدا پرست انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس احترام کو ملحوظ رکھے اور کسی انسان کی واجب حرمت کو پامال نہ ہونے دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔ (بنی اسرائیل ۷۰)

اسلام نے زندہ انسانوں کا احترام کرنے کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ مردہ انسانوں کی تکریم کا بھی سلیقہ سکھایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک یہودی کا جنازہ جا رہا تھا رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے آپؐ نے فرمایا کیا یہ انسان کا جنازہ نہیں ہے (ابوداؤد)

تکثیری معاشرہ میں رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پڑوسیوں اور ساتھیوں کی دل آزاری سے گریز کیا جائے، نفرت آمیز باتوں سے پرہیز کیا جائے اور دوسروں کے معبودوں اور پیشواؤں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لئے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے پھر انہیں اپنے رب کی طرف ہی پلٹ کر آنا ہے، اس وقت وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ (الانعام ۱۰۸)

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ تکثیری معاشرہ میں رہنے والے مسلمان دوسروں سے جھگڑا لڑائی اور فساد سے گریز کریں، تلخ کلامی اور گالم گلوج سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں۔ اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (العنکبوت ۴۶)

ہمارے اسلاف نے دوسروں پر زیادتی اور ان کی دل آزاری کو اسلامی شعائر کی توہین سے زیادہ بڑا جرم قرار دیا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

مئے خورو مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن

شراب پیو، قرآن کو جلا دو، کعبہ میں آگ لگا دو ان سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ مردم آزاری کرو۔ قرآن اس تعلیم کے ساتھ یہ بھی ہدایت دیتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ اچھی زبان، شیریں کلام اور معقول رویہ اختیار کیا جائے اور دل نشیں لب ولہجہ میں بات کی جائے، زبان و بیان کی جراحت سے حتی الامکان گریز کیا جائے کیونکہ زبان کی کوتاہی اور بدکلامی کے ذریعہ شیطان خوشگوار سماجی تعلقات کو ناخوشگواری اور دشمنی میں بدل دیتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور اے نبیؐ میرے بندوں (یعنی مومن بندوں) سے کہہ دو زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل شیطان ہے جو انسان کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (بنی اسرائیل ۵۳)

تکثیری معاشرہ میں رہنے کے لئے اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کی جائے، ان کو تشدد تباہ

کاری کا نشانہ نہ بنایا جائے اور کسی کو ناحق زندگی سے محروم نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص قتل ناحق کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا جرم انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی نوعیت کا ہے اسی لئے اس کی سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ (المائدہ ۳۲)

غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اللہ کے خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترستی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (المائدہ ۸)

تکثیری معاشرے میں رہتے ہوئے بسا اوقات آپسی اختلافات بھی ہوتے ہیں، تنازع بھی کھڑا ہوتا ہے اور تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں کیونکہ کشمکش سماجی زندگی کے ساتھ لازم ہے۔ یوں تو اسلام نے بدلہ لینے کا فطری حق ہر انسان کو دیا ہے مگر خدا ترس مومن کو صبر وتحمل سے کام لینے اور ایذا رسانیوں کو برداشت کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: مسلمانو تمہیں مال و جان کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی۔ اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ بات سنو گے اگر تم ان حالات میں صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ (آل عمران ۱۸۶)

قرآن پاک میں برائی کا بدلہ برائی سے دینے کے بجائے بھلائی سے دینے کی تلقین کی گئی ہے اور ایک سماجی اور نفسیاتی نکتہ مسلمانوں کے گوش گذار کیا گیا ہے کہ اگر برائی کا بدلہ برائی سے دوگے تو مقابل کی مخالفت میں شدت پیدا کردوگے مگر اس کا دل جیت نہ سکو گے اور اگر برائی کا بدلہ بھلائی سے دوگے تو لوگوں کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا لوگے۔ اس لئے برائی کے بدلے میں بھلائی، غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی کا رویہ اختیار کرو، اللہ کا ارشاد ہے۔ اور اے نبیؐ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔ (حم سجدہ ۳۴، ۳۵)

خدا ترس مسلمان اور ان کے مذہبی رہنما کا رویہ دوسرے انسانوں سے متعلق محبت وشفقت کا ہوتا ہے کیونکہ یہی رویہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی کی تعلیم آپ نے اپنی امت کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: (اے پیغمبرؐ)۔ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خوا اور سنگ دل واقع ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ کرو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ (آل عمران ۱۵۹)

قرآن یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ تمام انسانوں کے ساتھ محبت اور شفقت کرنے کے علاوہ ان کے دکھ و درد کا مداوا بھی کیا جائے ان کی خدمت کی جائے اور جان و مال سے ان کی راحت رسانی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کے خاطر کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلا چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔ (الدھر ۱۰،۹،۸)

خلاصہ یہ ہے کہ بہترین انسان وہ ہیں جو دوسروں کے لیے راحت رساں اور نفع بخش ہوں۔ مسلمانوں کو اللہ نے بہترین امت قرار دیا ہے اس لیے ان کو عام انسانوں کے لیے بہتر اور نفع بخش ہونا چاہیے۔

خواتین کے حقوق کا اسلامی چارٹر

ابوالاعلیٰ سبحانی

(مغرب نے اسلام مخالفت کا محاذ جن بنیادوں پر قائم کیا ہے، ان میں ایک بنیاد خواتین بھی ہیں۔ موجودہ مغرب اور اس سے قبل استشراق کی تحریک نے بھی اس موضوع کو اپنے ایجنڈے میں خاص جگہ دی تھی۔ ان کا یہ دعوی تھا اور اب بھی ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اول تو فرسودہ ہیں، دوسرے قدیم اسلامی قوانین کے ذریعہ سماج کے ایک بڑے حصے (خواتین) کے ساتھ جبر کا معاملہ کیا جارہا ہے، اسلام نے خواتین کو گھر کی چہار دیواری میں بند کر رکھا ہے، مختلف قسم کے قیود سے اسے گھیر رکھا ہے۔ دوسری جانب ہمارا حال یہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حقوق واختیارات دیئے ہیں اور ان کا اسلام میں جو مقام ومنصب ہے، اس کا تعارف صحیح انداز میں مغرب اور جدید ذہن کے سامنے اب تک نہیں کراسکے ہیں۔ اگر حقیقت حال کا جائزہ لیا جائے تو موجودہ حالات کے تناظر میں ہم خود خواتین کے حقوق اور سماجی کردار کے متعلق کوئی ایک رائے نہیں بنا سکے ہیں۔ معروف مصری اخوانی شیخ عبدالحلیم ابوشقہ کی کتاب خواتین کی آزادی عہد رسالت میں اس سیاق میں ایک علمی کوشش ہے جس میں خواتین کے حقوق سے بحث کی گئی ہے۔ لیکن صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس سے آگے نکل کر پوری دنیا کی مسلم اقلیت کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں نئے عقلی وعلمی انداز سے بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔ ذیل میں خواتین کے حقوق کے ایک اسلامی چارٹر کا خاکہ پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ علمائے کرام اس موضوع پر مزید غور وفکر فرمائیں گے)۔

چارٹر کے اجزائے ترکیبی:

۱۔ اس چارٹر میں حق کا مفہوم، استطاعت، تحفظ اور امتیاز ہے، اور واجبات کا مفہوم، خواتین کی ذمہ داریاں ہیں خود اپنے سلسلے میں بھی اور دوسروں کے سلسلے میں بھی۔

۲۔ سوسائٹی کے افراد کی ذمہ داری ہے کہ خواتین کے متعلق کچھ خدمات انجام دیں، چارٹر خدمات کو معاشرہ پر خواتین سے متعلق حق کا نام دیتا ہے، یہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے جو بعض افراد کے کاندھوں پر ڈال دی جائے۔

۳۔ اسلامی شریعت کے مطابق مسلم معاشرہ کے افراد، اللہ رب العزت، سوسائٹی اور پوری کائنات کے سامنے جواب دہ ہیں، خواتین کا بھی یکساں حال ہے، الا یہ کہ مکلّف ہونے کی جو چند شرائط ہیں (عقل، بلوغت، خودارادی وغیرہ) ان میں سے کوئی ایک نہ پائی جاتی ہو۔ حق یا واجب کا لفظ استعمال کرنے کے بعد مذکورہ بالا نوعیت کی ذمہ داریوں سے خواتین کے تعلق کی نوعیت واضح ہوجاتی ہے۔

۴۔ اس چارٹر میں خواتین کے جملہ حقوق نیز ان کی مخصوص ذمہ داریوں اور مردوں کے ساتھ مشترک ذمہ داریوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(الف) عورتوں کے انسانی حقوق بہت بڑے پیمانے پر بین الاقوامی مجلسوں میں موضوع بحث بنے ہوئے ہیں، جہاں ان کے

حقوق کو عجیب وغریب انداز سے ثابت کرنے کی کوششیں جارہی ہیں، اور مختلف معاشرے اپنے اپنے اعتقادا ور اپنی اپنی ثقافتوں کے اعتبار سے خواتین کے لیے انسانی حقوق ترتیب دے رہے ہیں، لہذا یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کہ ہم اسلام کا موقف واضح طور سے پیش کر دیں کہ اسلام عورتوں کو کیا حقوق دیتا ہے، مختلف میدانوں میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، کن ذمہ داریوں کی ادائیگی میں وہ تن تنہا ہیں اور کن کن ذمہ داریوں کی انجام دہی میں وہ مردوں کے ساتھ شریک ہیں۔

(ب) اسلام کا یہ ماننا ہے کہ انسانی حقوق عورت اور مرد کے درمیان مشترک ہیں۔لیکن چونکہ بسا اوقات اس قسم کے حقوق کی تنفیذ میں معاملہ افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا ہے، اس وجہ سے نیز ان حقوق کی تاکید کے لیے ان کو علیحدہ ''خواتین کے حقوق'' کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

(ج) یہ چارٹر صرف خواتین کے حقوق سے متعلق بحث کرتا ہے، اس میں سوسائٹی کے دیگر تمام افراد سے متعلق کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ لیکن فیصلوں کے نفاذ یا پھر دیگر قوانین اور فیصلوں سے موازنہ کرتے وقت سوسائٹی کے تمام طبقات کے حقوق کے تناظر میں اسے دیکھا جائے گا۔

۵۔ چارٹر میں یہ بات طے نہیں کہ ان حقوق کے نفاذ کی عملی شکل کیا ہوگی، لیکن یہ لازم ہوتا ہے کہ ان قوانین کے ساتھ ساتھ ان کے نفاذ سے متعلق مناسب گارنٹی وضمانت بھی دی جائے۔

۶۔ چارٹر کا مقصد محض قوانین وحقوق کا بیان نہیں ہے، اس کا زیادہ زور فکری رجحان پر ہے، اسی لیے عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کے ضمن میں بعض اخلاقی پابندیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔

۷۔ چارٹر میں بیان کردہ حقوق عام اور اجمالی نوعیت کے ہیں اور ان کے مصداق کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۸۔ استقرائی طور پر خواتین کے حقوق اور ذمہ داریوں کو ذیل کی ترتیب کے مطابق تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) انفرادی حقوق۔(ب) اجتماعی حقوق (اجتماعی حقوق میں صحت، تہذیب وثقافت، معاش، سیاست اور قضا سے متعلق حقوق بیان ہوئے ہیں)۔

۹۔ اس چارٹر میں کوشش کی گئی ہے کہ عورتوں سے متعلق حقوق کے بیان میں اسلام کے موقف کا ذکر کیا جائے، اس بات کا امکان ہے کہ اس کو بحث کا موضوع بنایا جائے کہ اور خواتین کے حقوق سے متعلق ایک دوسرے وسیع و جامع میثاق کی تیاری اور اس کو ملکی پیمانہ پر پیش کرنے کے سلسلے میں یہ پہلا قدم ثابت ہو۔

۱۰۔ یہ چارٹر اسلامی شریعت کے احکام کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے، تاہم حقوق سے متعلق بعض دفعات میں اسلامی تعلیمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''یہ احکام شریعت کے مطابق ہے'' کے لفظ کا اضافہ کیا جائے گا۔

اس مسودہ کا مقصد اسلام کی روشنی میں خواتین کے حقوق کو بیان کرنا ہے، ممکن ہے اس کی روشنی میں خواتین کے امور سے متعلق قوانین، فیصلے بنائے جائیں اور مخصوص اسٹریٹجی متعین کی جائے۔

چارٹر:

حقوق:

۱۔ شریفانہ زندگی، رائے اور عقیدے کی آزادی نیز ایمانی وروحانی کمال خواتین کے بنیادی حقوق میں سے ہیں، اس کو کسی ایسے غیر قانونی تصرف کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا جس سے اجتماعی عدل کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

۲۔ خواتین کو یہ آزادی ہوگی کہ وہ نام، نسب کا انتخاب کریں، دینی فرائض اور رسومات کی ادائیگی کریں، ان کو یہ بھی آزادی ہوگی کہ وہ من پسند لباس زیب تن کریں، مقامی زبان استعمال کریں اور ان معروف رسوم ورواج کو انجام دیں جو دینی واخلاقی اقدار کے مطابق ہوں۔

۳۔ خواتین کو اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ محفوظ و مامون ماحول سے استفادہ کریں۔

خواتین کے عائلی حقوق اور ذمہ داریاں:

۴۔ والدین کی جانب سے مناسب دیکھ بھال لڑکیوں کے حقوق میں داخل ہے، مزید برآں ان کو نفقہ، وسائل زندگی، تعلیم وتربیت اور صحت سے متعلق سہولیات کا حق بھی حاصل ہے ان کو مناسب حالات ووسائل کی فراہمی کا حق بھی حاصل ہوگا جس کے ذریعہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکیں نیز ان کی نفسانی وجذباتی ضروریات کی ضمانت کا حق بیٹوں کے ساتھ کسی تفریق اور امتیاز کئے بغیر ملے۔

۵۔ خواتین کو عائلی بنیادوں کی تعمیر کا حق ملے گا نیز زوجین کے اختلاف کے وقت قانونی تحفظ کا حق حاصل رہے۔ شادی کے امکانات کو آسان بنائے جائے نیز شوہر کے انتخاب کا حق حاصل رہے گا، اسلامی قانون ذمہ دار ہے کہ وہ شادی اور تفریق کا حق اسے فراہم کرے، اسی طرح اسلامی قانون پرورش، نفقہ اور رہائش کا بھی ذمہ دار ہے مزید یہ کہ اس کی ناموس اور صحت کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ خواتین حمل اور وضع حمل کے حقوق سے بھی بہرہ مند ہوں گی اور قانون ان کو اور ان کے بچوں کے نفسیاتی اور جذباتی حالات کی ضمانت دیگا۔ خواتین کو بچوں کی تربیت کا حق حاصل رہے گا نیز ان کو وہ تمام حقوق حاصل رہیں گے جو عائلی بنیادوں کو مستحکم و مضبوط کرسکیں۔

۶۔ طلاق کے بعد مالی تصرف کا اختیار نیز دوبارہ شادی کا حق حاصل رہے گا۔

خواتین کے سماجی حقوق اور ذمہ داریاں:

۷۔ نفسیاتی اور جسمانی صحت سے متعلق امور کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی قوانین ذمہ دار ہیں کہ وہ صحت کے مسائل میں خواتین کے حقوق کی ضمانت دیں، مناسب علاج اور صحت کے وسائل کی فراہمی کا حق ان کو حاصل ہو۔ اسی طرح ان کے خاندان کو منظّم کرنے کا فیصلہ کرنے اور ضروری طبی نگہداشت اور سماجی، نفسیاتی اور عائلی زندگی میں جن خاص مشکلات و دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں بالخصوص صحت بخش غذا بھی شامل ہے ان تمام امور میں منفعت بخش ذرائع ومواقع کی فراہمی کا حق ہے۔

۸۔ ان کے دوسرے حقوق میں ورزش کے میدان میں مواقع اور امکانات کی فراہمی ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کے ارتقاء کے لیے تعلیمی وتربیتی کورسیز میں شریک ہوسکیں، اسی طرح ان کو قومی اور بین الاقوامی ورزشوں کے مقابلہ جات میں بھی شرکت کا حق حاصل ہوگا۔

۹۔ خواتین کو اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ تعلیم حاصل کریں، تدریسی خدمات انجام دیں نیز اپنے علم، معرفت اور ایمانی معیار میں بلندی لائیں، اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوں اور ان کو ناموس کے تحفظ کا حق حاصل رہے گا، اسی طرح دعوت کے میدان میں بھی ان کا حق ہے کہ اسلامی فکر وثقافت کی نشر واشاعت کریں، انہیں ہر قسم کی قولی وعملی جارحیت سے تحفظ کا حق حاصل رہے گا۔

۱۰۔ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اسلام اور تہذیب وثقافت سے متعلق اجتماعات میں شرکت کریں اور ایسے تربیتی پروگرامس پیش کریں جو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ ہوں۔ ان کو مراکز،

ادارے اور تنظیمیں قائم کرنے کا بھی حق حاصل رہے گا نیز قومی و بین الاقوامی سطح پر تعلقات بنانے اور تعمیری وتہذیبی معلومات کا تبادلہ کرنے کا حق بھی۔

۱۱۔ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ قوانین ترتیب دیں اور تہذیبی وتربیتی اسٹریٹجی متعین کریں خاص طور پر بچوں کی تربیت اور گھریلو نظم سے متعلق، اسی طرح ان کو یہ حق بھی حاصل رہے گا کہ خواتین کی ثقافتی سرگرمیوں میں شریک ہوں اور اسلامی شناخت نیز اسلامی تہذیب وثقافت کا تحفظ کریں۔

۱۲۔ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اعلی تعلیم حاصل کریں، بلکہ ان کو اس کے مناسب وسائل فراہم کئے جائیں گے، اسی طرح ان کو یہ حق ہوگا کہ قومی وبین الاقوامی سطح پر خطاب کریں اور ریسرچ وتحقیق میں شریک ہوں، ان کا حق ہے کہ وہ کتابوں اور مقالات کی تالیف وترجمہ کا کام کریں، اس کے لئے لازمی سہولیات انہیں فراہم کی جائیں۔

۱۳۔ ان کو مالی خودمختاری اور تجارتی معاملات میں وصیت، وقف اور وکالت کی نیز مہر کی تعیین اور اس کی وصولیابی کی ضمانت حاصل رہے گی۔ ان کے لیے بدلے کی ضمانت متعین رہے گی اور اولاد کے مال پر ان کا حق رہے گا، نیز بوقت ضرورت مختلف ذرائع سے مالی تعاون کے حصول کا حق بھی حاصل رہے گا۔

۱۴۔ ان کو ملکیت، کام کاج (سروس و بزنس) اور تجارتی معاہدے کرنے کا حق حاصل ہوگا، نیز ان کو مواقع فراہم کئے جائیں گے کہ وہ مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں۔ ان کو بھی وہی تنخواہیں اور الاؤنس دیئے جائیں جو مردوں کو ملا کرتے ہیں۔ ان کو جبری نیز ضرر رساں کاموں سے الگ رکھا جائے گا اور ان کے ساتھ دیگر بہت سی مراعات خاص ہوں گی۔

ملکی قانون کی ذمہ داری ہے کہ ان کو کام کے دوران فنی اور اخلاقی طور پر امن وسلامتی فراہم کرے۔ اسی طرح ان کو اقتصادی پالیسیاں بنانے اور اقتصادی اداروں کے نظم وضبط کا بھی حق حاصل ہوگا۔

۱۵۔ ان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ سوسائٹی کے بنیادی فیصلوں کی تعیین اور مختلف مسائل کے سلسلے میں عملاً شریک رہیں، اسلامی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے آزادئ فکر ورائے، پارٹی سازی، سیاسی سرگرمیاں اور مختلف انتخابات میں شرکت وغیرہ یہ سب کچھ خواتین کے حقوق میں داخل ہوگا۔

۱۶۔ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے نفس، دین، وطن اور گھر خاندان کے سلسلہ میں شریعت نے جس دفاع کو مشروع قرار دیا ہے، وہ اس دفاع کو استعمال کریں، امن عالم اور ترقی کے قیام کی خاطر ہونے والی سرگرمیوں میں شریک ہوں، نیز مختلف مصائب و آفات میں متاثر افراد اور خاندان کا تعاون کریں نیز ان کو مختلف سرکاری وغیر سرکاری محکموں میں بھی مناصب کے حصول کا حق حاصل ہوگا۔

۱۷۔ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ قانونی امور کی تعلیم حاصل کریں نیز تحفظاتی قوانین کے دائرے میں ان کی عدالتی مدد کی جائے گی، ان کو عدالت (افتاء وقضا) کے مناصب دیئے جائیں گے۔ اسلامی قانون ان کی ذات کو حقارت، اہانت اور جارحیت سے تحفظ فراہم کرے گا اور سزا وغیرہ کی تنفیذ کے وقت ان کے ساتھ تخفیف کا معاملہ کیا جائے گا، اسی طرح قید خانوں میں ان کو مناسب سہولیات بہم پہنچائی جائیں گی۔ ان کو اپنے حقوق کی طلب میں دعوے کرنے کا حق حاصل رہے گا اور اس بات کا بھی حق رہے گا کہ عدالتی دعوؤں میں شہادت دے سکیں۔

تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے

وقارالدین لطیفی ندوی

مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب (حیدرآباد)

- ولادت : ۳ر جولائی ۱۹۲۸ء مطابق ۱۳۴۹ھ
- نام : **محمد حمید الدین**
- ولدیت : محمد حسام الدین
- تخلص : عاقل
- نسبت : حسامی
- بورڈ کی صدارت : بورڈ کے اجلاس حیدرآباد منعقدہ

تین ساڑھے تین سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

- عرف عام : مولانا عاقل صاحب
- پہلا حج : دوڈھائی سال کی عمر میں
- بیعت وخلافت : اپنے والد ماجد سے

ابتدائی تعلیم والد ماجد سے اور اس کے بعد سرکاری مدرسہ ''اردو شریف'' میں تیسری اور چوتھی جماعت کی تعلیم حاصل کی، اور پانچویں جماعت کی تعلیم مغلپورہ مڈل اسکول میں حاصل کی، چھٹی جماعت سے میٹرک (ہائی اسکول) تک دارالعلوم ہائی اسکول حیدرآباد میں حاصل کی اس کے بعد دارالعلوم کالج سے انٹر کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اے شعبہ دینیات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی پھر ایم اے اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لیکر ۱۹۵۶ء میں پوری ریاست میں اول درجہ سے کامیابی حاصل کی اور ۱۹۵۷ء میں PHD کی، حضرت علامہ فخر الدین رازی کی کتاب ''کتاب الامامۃ'' کا انتخاب کیا اور انہوں نے جناب عبدالمعید خانصاحب کی نگرانی میں انتہائی مبسوط اور علمی مقالہ تیار کیا مگر افسوس کہ والد ماجد کے حادثہ وفات کی وجہ سے اپنا مقالہ جمع نہ کر سکے۔

مثالی خدمات: آپ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ دارالعلوم حیدرآباد کا قیام ہے، دارالعلوم حیدرآباد ریاست آندھراپردیش ان تاریخ ساز اور نام ور اداروں میں ہے جس نے ہر آن قوم وملت کی خدمت کو اپنا مقصد بنائے رکھا اور ہر مشکل وقت میں امت کی رہبری کی اور بے شمار تشنگانِ علوم نے اس ادارے سے استفادہ کیا یہ حضرت کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور آخرت کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے آپ ہی اس بافیض ادارے کے بانی اور مہتمم ہیں علاوہ ازیں آپ بہت سے دوسرے مناصب جلیلہ پر فائز ہیں، مثلاً امارت ملت اسلامیہ آندھراپردیش، رکن تاسیسی ورکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، کنوینر اصلاح معاشرہ ریاست آندھراپردیش، صدر یونائیٹڈ مسلم فورم اور دوسری متعدد علمی، ادبی، سماجی، وملی تنظیموں کے سرگرم رکن اور سرپرست ہیں، ملک و بیرونِ ملک میں آپ کی ذات گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی خدمات ملک وملک کے لیے ہمیشہ بے لوث رہی، ذاتی مفادات پر آپ نے ہمیشہ ملت کے مفادات کو مقدم رکھا اور کبھی بھی اپنی ذات کے خاطر اور اپنے نفس کے لیے کوئی ایسا کام نہیں کیا اور نہ ایسا قدم اٹھایا جس سے ملک وملت کو نقصان ہو؛ یہی وجہ ہے کہ آج بلا تفریق مذہب وملت ہر شخص اور ہر طبقہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ عوام وخواص سب میں یکساں مقبولیت عطاء فرمائی ہے، تعلیمی تربیت، اصلاح وتصوف، وعظ ونصیحت اور تزکیہ کے حوالے سے کبھی بھی آپ کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔

اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے۔

تاریخ

اورنگ آباد

شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد

ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی (اورنگ آباد)

شاہ جہاں (وفات ۲۶/رجب ۱۰۷۶ھ/۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء) نے (روقعات عالمگیری کے بیان کے مطابق) اپنے لالہ ہائے جگر کی نسبت پدرانہ تبصرہ اس طرح کیا تھا: بعضے اوقات اندیشہ بہ خاطر راہ می یابد کہ مہین پور خلافت اگرچہ اسباب شان وشوکت وسامان تحمل وصولت ہمہ دارد لیکن عدو نیکواں ودوست بداں واقع شدہ ع:

بابداں نیک وبد بہ نیکاں ست

''شجاع غیر از سیر چشمی وصفے ندارد ومراد بہ اکل وشرب ساختہ دائم الخمرست۔ فلاں ...... ذی عزم ومآل اندیش بنظرمی آید، اغلب کہ امر خطیر ریاست تواند شد''۔

''بعض اوقات دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ بڑا لڑکا (داراشکوہ ولادت ۱۶۱۵ء وفات ۱۶۵۹ء) جو شوکت و دبدبہ اور شکوہ وتجمل کے تمام سامان بہم رکھتا ہے لیکن نیکوں کا دشمن اور بد باطنوں کا دوست واقع ہوا ہے شجاع (ولادت ۱۶۱۶ء وفات ۱۶۶۱ء) میں سرچشمی کے سوا کوئی قابل تعریف وصف نہیں ہے۔ مراد (ولادت ۱۶۲۴ء وفات ۱۶۶۱ء) لذت کام ودہن کا دلدادہ اور شراب کا رسیا ہے۔ مگر فلاں (اورنگ زیب ولادت ۴/نومبر ۱۶۱۸ء مطابق ۱۵/ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ جلوس جولائی ۱۶۵۸ء مطابق ۱۰۶۸ھ وفات ۳/مارچ ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۸ھ) صاحب عزم اور دور اندیش معلوم ہوتا ہے، گمان غالب یہ ہے کہ وہ حکومت کے بارگراں کو اٹھا سکے گا''۔ اس شہر کا انتساب اسی صاحب عزم مرد مومن کی طرف ہے جو پیکر عزم جواں بھی تھا اور گنجینۂ حزم واحتیاط بھی، جو معاملہ فہم بھی تھا اور نکتہ سنج بھی۔

اس شہر کی بنیاد مرتضیٰ نظام شاہ والی احمد نگر کے وزیر ملک عنبر نے رکھی اور ڈاکٹر مرزا محمد خضر کی تحقیق کے مطابق سخت پتھریلی زمین اور پہاڑوں کے دامن میں ہونے کی وجہ سے اس شہر کو کھڑکی کا نام دیا گیا کیونکہ مقامی زبان میں کھڑک کے معنی سخت پتھریلی زمین کے ہوتے ہیں بعض تاریخی روایات کے مطابق شہر کی تاسیس کے وقت وہاں آباد کھڑکی نامی ایک چھوٹی سی بستی کی طرف نسبت کر کے شہر کا نام کھڑکی رکھا گیا۔ اکبر کے زمانہ سے ہی جنوبی ہند پر فوج کشی کا سلسلہ جاری تھا اور اکبر کے زمانہ میں خاندیش، قلعہ احمد نگر اور احمد نگر کے کچھ علاقے حکومت مغلیہ کے زیر نگیں آگئے تھے جب مغل فوج کھڑکی کی طرف بڑھی تو ملک عنبر (۱۶۲۶ء-۱۶۰۰ء) نے کھڑکی کے قریب مغل فوج کو شکست فاش دی اور فتح کی خوشی میں کھڑکی کا نام بدل کر فتح گڑھ رکھا۔ ۱۶۳۳ء میں حسین نظام شاہ ثانی کی شکست فاش اور گرفتاری کے بعد نظام شاہی سلطنت حکومت مغلیہ میں ضم ہوگئی اور شاہ جہاں نے ۱۶۳۶ء میں اورنگ زیب کو دکن کا صوبیدار بنا کر بھیجا۔ اورنگ زیب نے اپنی پہلی صوبیداری (۱۶۳۶ء-۱۶۴۴ء) کے دوران فتح گڑھ کا نام بدل کر اورنگ آباد رکھا بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اورنگ زیب نے اپنی دوسری صوبیداری (۱۶۵۳ء-۱۶۵۷ء) کے درمیان نام میں تبدیلی کی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اورنگ آباد اس لحاظ سے خوش قسمت اور بختاور ہے کہ یہاں ۱۹۴۸ء تک مسلمان حکمراں رہے اور اس اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ سلطنت مغلیہ جب کمزور ہوئی تو اس علاقہ کے صوبیدار نواب میر قمر الدین نے

جب ۱۷۲۴ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا تو اس شہر اورنگ آباد کو دارالخلافہ بنایا اور آصف جاہ اول کا لقب اختیار کیا۔ بعد میں ان کے جانشینوں نے حیدرآباد کو دارالخلافہ بنایا اور آصف جاہ سابع میر عثمان علی خان کے دور حکومت میں ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں ریاست حیدرآباد انڈین یونین میں ضم ہوگئی۔ ۱۳۲۷ء میں محمد تغلق نے بھی اورنگ آباد سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع دیوگری (دولت آباد) کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس طرح اس علاقہ کو دوبار دارالخلافہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت اورنگ آباد علاقہ مراٹھواڑہ کا دارالخلافہ ہے۔ علاقہ مراٹھواڑہ آٹھ اضلاع اورنگ آباد، جالنہ، پربھنی، ناندیڑ، عثمان آباد، لاتور، بیڑ اور ہنگولی پر مشتمل ہے اور اب یہ صوبہ مہاراشٹر کا ایک حصہ ہے۔ صوبہ مہاراشٹر کی تشکیل یکم مئی ۱۹۶۰ء میں عمل میں آئی اور یہ صوبہ مراٹھواڑہ کے علاوہ ودربھ، کوکن، خاندیش وغیرہ علاقوں پر مشتمل ہے اور کل آبادی تقریباً ۹ کروڑ ہے۔ اضلاع کی تعداد تینتیس ہے۔ شہر اورنگ آباد 19.53 عرض البلد اور مشرق میں 75.20 طول البلد پر واقع ہے۔ دہلی سے اورنگ آباد کا فاصلہ چودہ سو کلومیٹر اور ممبئی سے تقریباً چار سو پچاس کلومیٹر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً سولہ لاکھ ہے۔ آب وہوا معتدل ہے۔

عصر حاضر کے قاموس کے مطابق اس وقت اورنگ آباد ایشیا کا سب سے ترقی پذیر شہر ہے۔

ہمروشال اور پیٹھنی ساڑی کی وجہ سے، پانچ ستارہ اور تین ستارہ ہوٹلوں کی وجہ سے، بین الاقوامی ایرپورٹ کی وجہ سے، والوج چکل تھانہ اور شیندرہ میں واقع صنعتی کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے دودسیاہ کی وجہ سے، سڑک پر دوڑنے والی گاڑیوں کی وجہ سے، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی روشنیوں کی وجہ سے، بلند وبالا عمارتوں کی وجہ سے، پیٹھن میں واقع ڈیم کی وجہ سے۔ لیکن اس کی اصلی شناخت اس کی علمی، تہذیبی، لسانی، تاریخی اور ثقافتی حیثیت ہے۔ اورنگ آباد فصیل بند شہر ہے اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۹۶ء میں مرہٹوں کے حملہ کے پیش نظر فصیل تعمیر کروائی جس کے بہت سے آثار اب بھی باقی ہیں۔ فصیل کا طول تقریباً دس کلومیٹر اور اونچائی تقریباً چار میٹر تھی اور اس سنگین ہار میں باون دروازوں کے لعل وگہر جڑے ہوئے تھے۔ نوبت دروازہ، رنگین گیٹ، دلی دروازہ، پیٹھن گیٹ، روشن گیٹ اور مکہ گیٹ آج بھی ایستادہ عظمت رفتہ کی شہادت اور داستان کہنہ کی نقاب کشائی کے لیے بیتاب ہیں

لطف ہے کون ہیں کہانی میں　　　آپ بیتی ہوں کہ جگ بیتی

اورنگ آباد مسجدوں کا شہر ہے۔ شہر کی ساڑھے چار سو مساجد کے میناروں سے جب حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح اور اللہ اکبر کی صدائے دل نواز بلند ہوتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک لاہوتی سائبان انوار وبرکات کے ساتھ سایہ فگن اور جلوہ افروز ہے۔ اورنگ آباد کے بانی ملک عنبر کے معجزۂ فن کی نمود اگر ایک طرف ''انہار عنبریہ'' کے عجیب وغریب اور طویل وعریض سلسلۂ پیچاں میں نظر آتی ہے تو دوسری طرف اس کے خون جگر کا نظر نواز عکس اور دل گداز پرتو ''حجراسود'' کے پارچوں سے تشکیل شدہ ایک خدا کے حضور سجدہ ریزی کے لیے سندان دل پر ضرب حنفی کی غرض سے روئے زمین کی سب سے بہتر اور فرحت بخش گھر کے در وبام پر نظر آتا ہے جو کالی مسجدوں کے نام سے زبان زد عام وخاص ہے۔ شہر میں ملک عنبر کی چھ مسجدیں یادگار ہیں، پانچ کالی مسجدیں (کالی مسجد نواب پورہ، کالی مسجد چوک، کالی مسجد شاہ بازار، کالی مسجد مونڈھا، کالی مسجد ہرش نگر) اور ایک جامع مسجد بڑی لین جس میں اورنگ زیب نے ۱۱۲۳ھ میں شمالاً جنوباً اور شرقاً کا اضافہ کیا۔ مسجد بیگم جانی، مسجد شاہ گنج، لال مسجد، مسجد پنچکی، مسجد نوکھنڈہ، مسجد جمیل بیگ اور مسجد چیتہ خانہ کا شمار شہر کی قدیم تاریخی مساجد میں ہوتا ہے۔ سادگی کے باوجود ان مساجد کے حسن کے اظہار کے لیے شاید اس سے اچھی تعبیر نہ ہو۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية
وفي البداوة حسن غير مجلوب

اردو زبان کے حوالہ سے شاید یہ بات قارئین کے لیے تعجب افزاء ہو کہ اردو زبان کی تشکیل کی ابتداء اورنگ آباد ہی سے ہوئی اور اس کے لیے زبان اورنگ آبادی کی خاص اصطلاح وجود میں آئی۔ ولی اورنگ آبادی

نے جنوب کو شمال سے ہم آہنگ کرنے اور اپنی سخن ورانہ صلاحیتوں سے زبان اردو کے گیسو سنوارنے اور اس کو آبدار بنانے میں جس فن کاری، سحر طرازی، جاں کاہی اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اردو دنیا اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ولی کا کمال یہ ہے کہ اس نے قدیم روایت میں زندگی کے رنگا رنگ تجربات تنوع اور داخلیت کو سمو کر غزل کے دائرہ کو پوری زندگی پر پھیلا دیا۔ ولی کے بعد اور دور میر وسودا سے پہلے درمیانی عرصہ میں سید سراج الدین سراج اورنگ آبادی سب سے بڑے شاعر ہیں جن کی پر گوئی، جوش طبع اور رنگ سخن کی گرد بھی کوئی نہ پا سکا وہی سراج جس نے کہا تھا:

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جوں دھری تھی تو نہی دھری رہی
کیا خاک آتش عشق نے دل بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا مگر ایک بے خطری رہی

بابائے اردو مولوی عبدالحق کا مولد اگر چہ ہاپڑ تھا لیکن ان کا مسکن اورنگ آباد ہی بنا اور یہاں کے طویل قیام کے دوران ان کے قلم نے اردو کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ یعقوب عثمانی اور سکندر علی وجد کی تخلیقات نے بزم اردو کو الفاظ و معانی اور داخلیت و خارجیت کے رموز و اسرار سے شاد کام کیا۔ ڈاکٹر عصمت جاوید کی قد آور اور بین الاقوامی شخصیت کی شناخت بھی اردو ہے وہ اردو کے لیے ہی جیئے اور اردو کی آغوش ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ مختلف موضوعات پر ان کی تحریریں تحقیق و تنقید کے اعلیٰ معیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نظم و نثر کی دنیا میں ان کی مسلمہ حیثیت کی شہادت اپنوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی دی ہے۔ زبان و بیان کے رمز اور الفاظ تلفظ کی ساخت پر ان کی نظر گہری تھی۔ قاضی سلیم نے دنیائے مثنوی کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ مولوی اختر الزماں ناصر نے جب ساز غزل پر زخمہ زنی کی تو فضائے نیلگوں سے ہل من مزید کی صدائے دل ربا نے دل کے تاروں کو ایسا چھیڑا کہ یارائے ضبط وفغاں نہ رہا۔ مرزا اسلم نے جب عزلت کو گوشۂ عزلت سے نکالا تو فضائے تحقیق پر ایک نئے ''زہرہ'' کا انکشاف ہوا۔

مشہور شاعر و تذکرہ نگار لچھمی نرائن شفیق بھی اسی خاک کا ایک گوہر آبدار تھا پہاڑوں کی گود میں آسودہ شہر نگاراں کو ''موم کا شہر'' بنانے میں سنگ تراشی بلکہ خاراشگافی کا نازک فریضہ انجام دے کر قمر اقبال نے واقعی مٹی کا قرض ادا کر دیا، ''دشت روز وشب'' کے کارواں کی میری اسی شہر خوباں میں میر ہاشم کے سپرد ہوئی، ڈاکٹر مظہر محی الدین کی ریاضت، میدان ''ریاضی'' سے جب اردوئے معلیٰ میں خراماں خراماں پہونچی تو ''بڑھتے فاصلے'' پر لوگ انگشت بہ دنداں ہوگئے، یوسف عثمانی کے قلم کی رعنائی اور کلکِ رعنا حیدری کی گلکشتی تازہ واردان بساط ہوائے اردو کے لیے عصائے دل بست ثابت ہوئی، شاہ حسین نہری، فاروق شمیم، احمد اقبال، عارف خورشید، جاوید ناصر، ڈاکٹر مرزا خضر، ڈاکٹر حمید خاں، ڈاکٹر ارتکاز افضل، خاں شمیم کے منثور و منظوم شہ پاروں کو کوچۂ ادب کے نکتہ شناسوں نے دل کی گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کیا اور انگریزی زبان کے میدان میں ارتکاز وحمید نے ایسی شاہ راہ متعین کی جو آئندہ اور موجودہ نسل کے لیے مثال بھی بنے گی اور مشعل بھی۔ اس تبصرہ سے بعض لوگ مشتعل بھی ہونگے لیکن رائے دہی کا اختیار تو حکومت ہند نے بھی اپنے ہر شہری کو عطا کیا ہے۔ دو معتبر نام اور بھی ہیں: ثاقب انور اور عبدالوہاب جذب، ایک مرحوم اور دوسرے محرم۔ ایک ''صریر خامہ'' کے ساتھ اپنے خدا کے حضور دامان رحمت ومغفرت میں آسامیدہ اور دوسرا محرم راز دروبست لغت ہائے شبلی شبلی۔ حکیم سید احمد حسینی بیجو د اورنگ آبادی کا اردو اور فارسی کلام بھی لائق مطالعہ اور قابل توجہ ہے۔ ان کے فرزند حکیم اقبال حسینی نے نوائے حرم کے نام سے ان کا کلام مرتب کر کے قارئین کو تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے۔

تعمیری افسانہ وناول کی دنیا کا بے تاج بادشاہ خانوادۂ قمر الدین کا

چشم و چراغ کوئی اور نہیں نورالحسنین ہے۔ اسے زبان پر خلاقانہ قدرت حاصل ہے زبان کے درو بام اس سے آشنا اور وہ اس آشنائی کے پردہ میں گل کھلانے میں مصروف۔ اگر ایسی ہی مصروفیت رہی تو درو بام کی حالت ایک دن دیدنی ہوگی۔محمود شکیل، عظیم راہی اور الیاس فرحت نے بھی فرحت و انبساط کی بزم سجا رکھی ہے۔خدائے بزرگ و برتر نے ایک بشر کو ایسا نوازا کہ وہ بشر نواز ہوگیا۔اسے وقار اردو کہیے تو مبالغہ نہ ہوگا یہ اورنگ آباد کے لیے افتخار کا سبب ہے۔ان کی شہرت دور تک ہے اور امید ہے کہ دیر تک رہے گی۔

خیابان عربی زبان و ادب کے لالہ وگل کی تلاش میں جب غلام علی آزاد بلگرامی ثم اورنگ آبادی تک رسائی ہوئی تو پندرہ سو عربی نعتیہ اشعار کا ایک حسین گلدستہ در علم پر آویزاں دیکھ کر میں ششدر رہ گیا پھر مرآۃ الجمال میں سراپائے جمال نگاراں کی تصویر میرے لیے حیرت و استعجاب کا باعث بنی۔شاید اس سے عظیم شاعر گیتی ہند نے پیدا نہیں کیا۔ ہندوستان میں اقلیم عربی کا بلاشرکت غیرے واحد فرماں روا۔اورنگ آباد اس کا مسکن تھا اور مدفن بھی ہے مختلف علوم وفنون کے میدان میں قاضی عبدالقادر اورنگ آبادی (۱۱۱۵ھ۱۲۰۴ھ) شیخ غلام احمد اورنگ آبادی (وفات ۱۲۰۴ھ) نورالاصفیاء اورنگ آبادی (وفات ۱۲۵۵ھ) نورالھدی اورنگ آبادی (۱۱۵۳۔۱۲۱۰ھ) غلام نور اورنگ آبادی (۱۱۳۹۔ ۱۱۸۹ھ) شیخ قمرالدین اورنگ آبادی (۱۱۲۳ھ۔۱۱۹۳ھ) کی عربی زبان میں چشم کشا تحریر میں آج بھی قارئین کو دعوت مطالعہ دیتی ہیں۔

ملا نظام الدین برہانپوری (وفات ۱۰۹۲ھ) کی سربراہی میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے بعض مراحل کی تکمیل اسی شہر اورنگ آباد میں اپنے نقطۂ اختتام کو پہونچی۔تدوین کی ابتداء ۱۰۷۸ھ میں ہوئی اور ۱۰۸۶ھ میں اختتام کو پہونچی اور اس پر دولاکھ کی خطیر رقم خرچ ہوئی۔فتاویٰ عالمگیری چھ ضخیم جلدوں اکسٹھ ابواب اور تین ہزار دوسو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بجا لکھا ہے کہ: درّہ خیبر کے راستے سے جو علماء وارد ہوئے وہ اپنے ساتھ جو علم دین یہاں لائے وہ صرف فقہ دانی کی کتابوں کا پشتارہ تھا کہ اس پر حکومت کے انتظام کا دارو مدار تھا اور ملک کے قانون اور سلاطین کے تقرب کا ذریعہ تھا۔چنانچہ شروع عہد سے لے کر اخیر تیموری عہد تک ہندوستان میں فتاویٰ اور قانون کے مختلف مجموعے تیار ہوئے جن میں سب سے زیادہ مقبولیت فتاویٰ عالمگیری کو حاصل ہوئی۔

یہ صوفیاء اور قدسی نفوس اولیاء کا شہر ہے۔حضرت زین الدین داؤد شیرازی (وفات ۱۳۶۹ء) بابا شاہ مسافر (وفات ۱۷۱۴ء) بابا پلنگ پوش (وفات ۱۶۹۸ء) حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ نورحموی، شاہ غلام حسن، سید احمد گجراتی، حضرت سید شاہ فخر الدین نقشبندی، حضرت شاہ علی نہری، بنے میاں، شاہ سوختہ، شاہ نورالدین، شاہ نورالھدی، بابا سعید پلنگ پوش، بابا شاہ محمود، جلال الدین گنج رواں، راجو قتال، خواجہ منتجب الدین زرزری زربخش، خواجہ برہان الدین اور دیگر صوفیائے عظام کی شب وروز کی کوششوں نے ظلمت کدہ کو نور عرفاں کا وقار عطا کیا اور ان حضرات کی صحبتوں سے دل کو سکون کی دولت میسر آئی۔اقبال نے صحیح کہا:

صحبت اہل صفا نور و سرور وحضور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لب آب جو

آصفجاہی حکومت کے زوال کے بعد یہاں صنعتی انقلاب بھی آیا اور دینی بیداری بھی اس کے نتیجے میں دینی اور عصری مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا جو ہنوز جاری ہے۔قدیم دینی جامعات میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم (سن قیام ۱۹۵۹ء بانی مولانا سعید خانؒ) اور جامعہ انوارالعلوم رحیمہ مسجد (سن قیام ۱۹۶۵ء بانی مولانا عبدالغفور ندویؒ) قابل ذکر ہیں۔ دیگر دینی مدارس میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم اورنگ آباد (بانی مولانا معزالدین قاسمی) جامعۃ الرضوان (بانی مولانا عبدالرحمٰن ندوی) مدرسہ خزیمہ، مدرسہ فلاح دارین اور حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رئیس و بانی جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے زیرنگرانی عصری و دینی مدارس نونہالان امت مسلمہ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔عصری تعلیم کے ادارے بھی مسلم اقلیت کے زیرانصرام جاری ہیں جن میں مولانا

آزاد کالج روضہ باغ اور سرسید آرٹس کامرس اینڈ سائنس کالج روشن گیٹ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ انجینئرنگ، فارمیسی، ہوٹل مینجمنٹ اور ڈی ایڈ، بی ایڈ اور ایم ایڈ کے ادارے بھی قائم ہیں۔

مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور دینی وفکری رہنمائی کے لیے طویل عرصہ سے ''امارت شرعیہ'' قائم ہے۔ امیر شریعت حضرت مولانا عبدالوحید نقشبندی ہیں۔امارت شرعیہ کا نظام پورے مرہٹواڑہ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے نقباء اپنی ذمہ داریاں بڑی خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ امارت شرعیہ مرہٹواڑہ، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے تحت ہے۔بابری مسجد کی شہادت کے بعد مرکزی مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں آیا۔مختلف پیشوں اور سرگرمیوں سے وابستہ افراد اس کے ارکان ہیں۔عالم اسلام، ہندوستان اور خصوصاً علاقہ مرہٹواڑہ میں پیش آمدہ حالات وواقعات کے پس منظر میں مرکزی مجلس شوریٰ مؤثر لائحہ عمل اختیار کرتی ہے جس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

اورنگ آباد کے تاریخی مقامات میں بی بی کا مقبرہ گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اورنگ زیب کی بیگم دل رس بانو (رابعہ درانی) کا مزار ہے جسے شاہزادہ اعظم نے اپنی والدہ کی یادگار کے طور پر تعمیر کروایا تھا۔اس کی تعمیر پر چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار دو سو تین روپے خرچ ہوئے اور ۱۶۶۰ء میں پایہ تکمیل کو پہونچا۔اس مقبرہ کا معمار عطاء اللہ تھا۔مقبرہ چاروں طرف سے فصیل سے گھرا ہوا ہے اور اس کے اندر دو مسجدیں ہیں جو سادہ مگر خوبصورت ہیں۔

پن چکی عہد قدیم میں عقل انسانی کی طرفہ طرازیوں کی ایک زندہ مثال ہے اسے بابا شاہ مسافر (وفات ۱۷۱۴ء) کے خلیفہ بابا شاہ محمود نے خانقاہ میں زیر تربیت مریدین کے خورد و نوش کے سلسلہ میں آٹا پیسنے کے لیے قائم کیا تھا۔اس پن چکی کو چلانے کے لیے چار کلومیٹر دور پہاڑ سے زیر زمین نالیوں کے ذریعہ پانی لایا گیا تھا۔ پن چکی کے لیے بنائی گئی زیر زمین نہر چوبیس گھنٹہ میں تقریباً آٹھ لاکھ گیلن پانی فراہم کرتی ہے۔ اورنگ آباد کی آغوش میں دولت آباد کا قلعہ بھی ہے جو اپنے محل وقوع کے لحاظ سے آج بھی حیرت انگیز ہے۔۱۱۸۷ء میں یادو خاندان کے راجہ بھلم نے یہاں قلعہ تعمیر کروایا تھا اور اس کا نام دیوگری رکھا۔۱۲۹۴ء میں علاء الدین خلجی نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ وہاں ایک خوبصورت مینار بھی ہے جسے علاء الدین حسن بہمنی نے ۱۴۳۵ء میں تعمیر کروایا تھا اس کا نام پہلے فتح مینار تھا لیکن اب چاند مینار کے نام سے مشہور ہے۔۱۳۲۷ء میں دولت آباد پایہ تخت بنا ۱۳۴۱ء میں محمد تغلق نے پھر دوبارہ دہلی کو پایہ تخت بنایا تو وہی علاء الدین حسن بہمنی جس نے فتح مینار تعمیر کروایا تھا قلعہ دولت آباد میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔دولت آباد کا قلعہ اورنگ آباد کے مضافاتی علاقہ دولت آباد میں واقع ہے جو اورنگ آباد سے آٹھ کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔دولت آباد کے بارے میں ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں یوں رقمطراز ہے: دیوگیر جسے اور دولت آباد کہتے ہیں یہ ایک بہت بڑا شہر ہے۔اہمیت، بناوٹ اور وسعت کے لحاظ سے دہلی کی مانند ہے۔ یہ شہر تین حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ دولت آباد کہلاتا ہے دوسرا حصہ کٹک اور تیسرا حصہ چٹان میں تراشا ہوا دیوگیر کا قلعہ۔۱۲۰۰ء میں حضرت مومن عارف باللہ یہاں تشریف فرما ہوئے تھے اور یہیں آسودہ خاک ہوئے۔حضرت شیخ بہاؤ الدین انصاری کا مزار بھی یہیں دامن کوہ میں واقع ہے۔اورنگ آباد سے پندرہ کلومیٹر شمال مغرب میں ایلورہ کے مشہور غار ہیں جو سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہیں ان غاروں کا تعلق ہندو مذہب، جین مت اور بدھ مت سے ہے۔غار نمبر ایک سے غار نمبر نو تک کا تعلق بدھ مذہب سے ہے۔سولہویں غار کیلاش مندر کا تعلق ہندو مذہب سے ہے اور غار نمبر بیس تا پینتیس کا تعلق جین مت سے ہے۔

اورنگ آباد سے جانب شمال نوے کلومیٹر کے فاصلہ پر غار ہائے اجنتا ہیں جو عالمی سطح پر پینٹنگ اور رنگ آمیزی ومصوری کا بہترین نمونہ ہیں۔

تہذیب وشائستگی اس شہر کا شعار ہے اور یہ شائستگی ہر چیز سے عیاں ہے۔عموماً سن مراہقت سے ہی لڑکیاں برقع استعمال کرتی ہیں، خواتین پردہ نشیں ہیں۔لڑکیوں میں تعلیمی رجحان بڑھا ہے اور اعلیٰ تعلیم کے مواقع حاصل ہونے کی بنا پر سائنس، آرٹس اور طب کی تعلیم بھی پردہ کے ساتھ لڑکیاں حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ تعلیم گاہیں بھی ایسی ہیں جہاں کا پورا

تدریسی وغیر تدریسی عملہ خواتین پر مشتمل ہے۔ شہر اورنگ آباد میں جتنے تعلیمی ادارے مسلمانوں کے ہیں شاید ہی کسی ایک شہر میں اتنے تعلیمی ادارے مسلمانوں کے ہوں۔

صنعت وحرفت اور تجارت کے میدان میں بھی پیش قدمی جاری ہے جس سے مسلمانوں میں خوش حالی آئی ہے۔ اورنگ آباد کا صحافتی معیار بھی قدرے اطمینان بخش ہے۔ شہر سے اردو، ہندی، مراٹھی اور انگریزی اخبارات نکلتے ہیں جو کافی مقبول ہیں اردو اخبارات میں الجزیرہ، شمع رہبر، ہندستان، آج کی خبر، مفسر، مقدس، رہنمائے دکن اور اورنگ آباد ٹائمز قابل ذکر ہیں۔ ان میں اورنگ آباد ٹائمز کو نمایاں حیثیت حاصل ہے یہ اورنگ آباد کا قدیم روزنامہ ہے جس کے بانی مرحوم عزیز خسرو تھے اور اب ان کے فرزندان شعیب، شکیب اور ذھیب کامیابی کے ساتھ اس اخبار کی توسیع اور تزئین میں مصروف ہیں۔

سیاسی اعتبار سے اورنگ آباد کا ماضی شاید حال کے مقابلہ میں زیادہ روشن تھا۔ جب ڈاکٹر رفیق زکریا، عبدالعظیم، امان اللہ موتی والا اورنگ آباد کی نمائندگی اسمبلی میں اور قاضی سلیم پارلیمنٹ میں کرتے تھے۔ ڈاکٹر رفیق زکریا اور عبدالعظیم کے حصہ میں وزارتیں بھی آئی تھیں۔ اور شہری سطح پر عبدالعزیز حاجی جمال اور مرحوم الف خاں صدر بلدیہ ہوا کرتے تھے لیکن اب یہ نمائندگیاں معدوم ہوگئی ہیں اور مستقبل قریب میں بھی اس کی کوئی ہلکی سی بھی امید نہیں ہے۔

قدیم ترین عصری مدارس میں مولانا آزاد ہائی اسکول کا شمار ہوتا ہے۔ مرحوم شیخ لعل پٹیل اس کے بانیوں میں سے تھے۔ اس کے بعد ہی دوسرے عصری مدارس قائم ہوئے۔ عصری مدارس کی کثرت کی وجہ سے گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ، ڈاکٹرس، انجینئرس اور مختلف شعبوں سے متعلق ماہرین کی بڑی تعداد میدان عمل میں آئی ہے اور دینی مدارس کی وجہ سے علماء حفاظ اور قراء بھی علاقہ کی ضرورتوں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ مختلف دینی تنظیموں اور خصوصاً تبلیغی جماعت کی شب وروز کوششوں کے نتیجہ میں دینداری نظر آتی ہے خصوصاً نوجوان نسل میں دینی شعور پیدا ہوا ہے اور وہ خیر وشر میں تمیز کرنے لگے ہیں۔

تحقیق وتحریر کے معاملہ میں پیش بندی کی رفتار سست ہے۔ نہ یہاں باقاعدہ تحقیقی ادارے ہیں اور نہ ہمت افزائی ورہنمائی کا کوئی باقاعدہ نظم ہے لیکن پھر بھی انفرادی کوششیں جاری ہیں جن کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان انفرادی کوششوں کے نتیجہ میں آج سے پچیس سال پہلے معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس ادارہ سے تقریباً اکتالیس کتابیں طبع ہوکر علماء اور محققین سے خراج تحسین وصول کرچکی ہیں۔

ریلوے اور ہوائی جہاز نے اورنگ آباد کو ملک اور بیرون ملک سے جوڑ رکھا ہے۔ سیاح کثرت سے یہاں آتے ہیں اور جذبۂ سیاحت کو شرمندۂ تعبیر کرکے شادکام ہوتے ہیں۔ ہندو بیرون ہند سے علماء، ادباء، شعرا اور محققین کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ شہر میں کئی ادبی انجمنیں شمع ادب کو فروزاں رکھنے میں مصروف ہیں جن میں وجد میموریل ٹرسٹ، رابطہ ادب اسلامی شاخ اورنگ آباد، اقبال اکیڈمی اور ارمغان ادب قابل ذکر ہیں۔ وجد میموریل ٹرسٹ کے صدر خواجہ معین الدین اس پلیٹ فارم سے متعدد فلاحی وادبی سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔ اس ادارہ کا اپنا سہ ماہی آرگن ''دلرس'' کے نام سے پابندی سے شائع ہوتا ہے۔

مختلف دینی جماعتوں کے زیر انصرام فلاحی انجمنیں اور تنظیمیں بھی سرگرم عمل ہیں جو غریبوں، بیواؤں اور مریضوں کے تعاون کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہیں ان کے پاس ایمبولنس کی سہولت بھی حاصل ہے اور دیگر ابتدائی طبی امداد کے سلسلہ میں ان کا اپنا لائحہ عمل ہے۔ مختلف اسپورٹس کلب بھی اس شہر کی نوخیز نسلوں کی مختلف کھیلوں میں رہنمائی وتربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اللہ اس شہر کو نظر بد سے بچائے اور مسلمانوں کو خود احتسابی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ یہ شہر خجستہ بنیاد اب دور بہار سے گذر رہا ہے اللہ اس بہار کو قائم رکھے۔ این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اورنگ آباد بزرگان دین کا ایک اہم مرکز

مفتی محمد نعیم مفتاحی

(صدر شعبہ افتاء: جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد)

شہر اورنگ آباد کی علمی، تہذیبی، ادبی اور دینی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ یہ شہر اس لسانی خطّے کا مرکز ہے جہاں محمد تغلق کی قیادت میں پہلے پہل شمالی ہند کا وہ لسانی دھارا آیا جس نے فارسی آمیز کھڑی بولی کی لسانی حدیں بندھیاچل کے جنوب میں دولت آباد تک بڑھائیں جہاں سے یہ زبان دہلوی صوفیائے کرام کے ساتھ جنوبی ہند کی طرف غیر ہند آریائی زبانوں کے لسانی حدود میں پہنچ کر 'دکنی' کہلائی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب اورنگ آباد کا نام صفحہ تاریخ پر ابھی رقم نہیں ہوا تھا۔ یہ خطہ جو آج مرہٹواڑہ کے نام سے موسوم ہے آج بھی مراٹھی زبان کا علاقہ ہے اور اُس وقت بھی مراٹھی زبان کا گڑھ تھا، اس خطے میں پیٹھن نامی شہر ہے جسے مراٹھی زبان وادب میں وہی ادبی اور تہذیبی اہمیت حاصل ہے جو آگے چل کر اورنگ آباد کو اردو ادب کی تاریخ میں حاصل ہوئی۔ پیٹھن جہاں کی پیٹھنی ساڑیاں آج بھی مشہور ہیں۔ سنت گیا نیشور کے والد وٹھل پنت مراٹھی کے مشہور دھارمک شاعر سنت ایکناتھ، شیواجی کے روحانی پیشوا رام داس اور دیگر سنتوں کی جنم بھومی رہا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جو جین مت اور بدھ مت کا عروج وزوال دیکھ چکی ہے۔ دور علائی میں جن اولیاء کرام نے نواح اورنگ آباد کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا ان میں مومن عارف باللہ اور حضرت جلال الدین گنج رواں کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جب دلی کی آبادی بحکم محمد تغلق دولت آباد جس کا قدیم نام دیوگری ہے منتقل ہوئی تو ایک روایت کے مطابق شاہ برہان الدین غریب کے ہمراہ سات سو مریدوں کا قافلہ جس میں کچھ پالکی نشین بھی تھے دولت آباد وارد ہوا، اس زمانے میں کئی اور بزرگان دین بھی دولت آباد تشریف لائے جن میں امیر خسرو کے دوست میر حسن سنجری، حضرت زین العابدین، راجو قتال جو خواجہ گیسو دراز بندہ نواز کے پدر بزرگوار تھے قابل ذکر ہیں۔ اس طرح زمانہ قدیم ہی میں دولت آباد بزرگانِ دین کی رشد وہدایات کا مرکز بنا اور یہ سرزمین نغمہ توحید اور تعلیمات دینی کے ترانوں سے گونج اٹھی تھی۔ آج بھی ان بزرگان دین کے مزارات زبان حال سے زائرین کو اپنی کہانی سناتے ہیں۔

شہر اورنگ آباد کا قدیم نام کھڑکی تھا۔ مرتضیٰ نظام شاہ والئی احمد نگر کے وزیر باتدبیر ملک عنبر نے اسے ۱۶۱۰ء میں آباد کیا۔ ملک عنبر نے اس شہر میں نہروں کے ذریعے آبرسانی کا جو نظام قائم کیا تھا اس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔ جامع مسجد ملک عنبر ہی کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی جس کی توسیع اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ہوئی اور اس کے اطراف حجرے تعمیر کیے گئے اور اس طرح یہ مسجد جامع دکن میں فقہ وحدیث کی اولین درس گاہ بنی۔ ملک عنبر کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے فتح خان نے کھڑکی نام بدل کر "فتح نگر" کر دیا۔ لیکن ۱۶۳۴ء میں احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد دیگر نظام شاہی مقبوضات کی طرح فتح نگر بھی مغلیہ سلطنت کا حصّہ بن گیا۔ جب سلطنت مغلیہ کے سب سے بڑے فرمانروا اورنگ زیب عالمگیرؒ ایام شہزادگی میں دوبارہ ۱۶۵۳ء میں وارد دکن ہوئے تو ان کی نظر انتخاب فتح نگر پر پڑی جسے انھوں نے اپنا صدر مقام بنایا اور اس کا نام اپنے نام کی رعایت سے اورنگ آباد کر دیا۔ معاصر مؤرخین نے اس شہر کو "خجستہ بنیاد" بھی کہا ہے۔ اس شہر کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنی عمر عزیز کے پچیس سال یہیں گذارے۔ یہیں ان کے فرزند شہزادہ اعظم نے اپنی ماں دلرس بانو ملقب بہ رابعہ درّانی کا مقبرہ تاج محل کی طرز پر تعمیر کیا جو "مقبرہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور جہاں آج کل گورنمنٹ کالج کی عمارت ہے۔ وہیں اورنگ زیب کے تعمیر کردہ زنانہ ومردانہ محل اور مسجد آج بھی عہد گزشتہ کی داستان سناتے ہیں۔ اورنگ زیبؒ کے انتقال کے بعد سابقہ ریاست حیدر آباد

کے مؤسّس آصف جاہ اول نے ابتداء میں دو سال تک اورنگ آباد ہی کو اپنی نئی سلطنت کا صدر مقام بنایا۔ نواب موصوف کی اورنگ آباد میں موجودگی سے یہاں ایک علمی و ادبی ماحول پیدا ہو گیا چنانچہ غلام علی آزاد بلگرامی جیسے مشہور زمانہ نقاد مؤرخ اور تذکرہ نویس انھیں کے زمانے میں اورنگ آباد آئے اور آصف جاہ اول کے صاحبزادے احمد خاں ناصر جنگ کے اتالیق مقرر ہوئے ،وہ ایک بار اورنگ آباد آئے تو یہیں کے ہو رہے، اڑتالیس سال کے زمانہ قیام کے بعد یہیں ان کی مٹی عزیز ہوئی اور خلد آباد میں مدفون ہوئے۔ بابا شاہ مسافر نقشبندی کے تکیے میں رہا کئے جو آج بھی درگاہ پن چکی کے نام سے زائرین کا مرکز نگاہ بنی ہوئی ہے اور جہاں آج کل مہاراشٹر وقف بورڈ کا صدر دفتر ہے۔ ناصر جنگ تو اورنگ آباد کے عاشق صادق تھے انھوں نے اورنگ آباد کو علمی، تہذیبی و ادبی مرکز کی حیثیت دیکر اسے دکن کی دلی بنا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں علمی و ادبی ماحول قائم ہو گیا اور دکنی ادب کے کئی چاند ستارے اسی سرزمین سے ابھرے جن میں ولی اورنگ آبادی' اور سراج اورنگ آبادی کے نام سرفہرست ہیں ان کے علاوہ داؤد اورنگ آبادی' عشقی اورنگ آبادی' حمید اورنگ آبادی' محمد علی عاجز قاشقال اور لچھمی نارائن شفیق کے نام قابل ذکر ہیں ۔لیکن ولی و سراج کی یہ سرزمین صدیوں تک خاموش رہی ۔بیسویں صدی کی ابتداء میں جب بابائے اردو مولوی عبدالحق صدر مہتمم تعلیمات کی حیثیت سے ۱۹۰۱ء میں اورنگ آباد تشریف لائے اور موجودہ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل بنے تو اس شہر میں ان کا قیام نیک فال ثابت ہوا ۔انجمن ترقی اردو کے دفتر اور پریس نے اس شہر کی عظمت رفتہ کو بحال کیا اور اردو کی کئی بیش بہا تصانیف یہیں سے شائع ہوئیں۔ ۱۹۵۶ء میں جب لسانی بنیادوں پر ہندوستان میں ریاستوں کی تشکیل نو عمل میں آئی تو علاقہ مرہٹواڑہ کے ساتھ اس صدر مقام کی حیثیت سے اورنگ آباد ریاست مہاراشٹر کا حصہ بن گیا۔ یہ تو ہے اس شہر کی لسانی ، سیاسی ، اور ادبی سرگرمیوں کا اجمالی خاکہ ۔لیکن دینی حیثیت سے بھی اس شہر کو ہندوستان بالخصوص دکن میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت حاصل ہے۔ یہ مساجد و مقابر کا شہر ہے اس شہر میں مختلف بزرگان دین بالخصوص حضرت نظام الدینؒ ، بابا شاہ مسافرؒ ، حضرت شاہ نور حمویؒ کے مزاراتِ مبارکہ اس شہر میں دینی و روحانی فضاء قائم کئے ہوئے ہیں۔ اس شہر کی دینی حیثیت کا اندازہ اس کے نام ہی سے لگایا جا سکتا ہے کیوں کہ اس نام کو ایک ایسے شہنشاہ سے نسبت ہے جو نہ صرف ہندوستان کا سب سے بڑا مسلم فرمانروا تھا بلکہ دیندار ہستی کی حیثیت سے حامل شرع متین بھی تھا۔ یہاں کی جامع مسجد ہی میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا خاکہ تیار ہوا۔ اورنگ زیبؒ کی دینی خدمات کا اعتراف اقبالؒ نے اپنی مایہ ناز مثنوی 'رموز بے خودی' میں ایک حکایت کے ضمن میں کیا ہے یہاں صرف دو اشعار نقل ہے:

پایہ اسلامیاں برتر از و — احترام شرع پیغمبر از و

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں — ترکش مارا خدنگِ آخریں

یعنی اس کے باعث مسلمانوں کا رتبہ بلند ہوا۔ وہ شرع پیغمبر کا احترام کرتا تھا وہ معرکہ دین و کفر میں ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا۔ جب اس تیر سے ہمارا ترکش خالی ہو گیا اور جب سلطنت مغلیہ کا چراغ بجھ گیا اور وہ ایک ہلکا سا نقطہ جو عہدِ جہانگیری میں افق ہند پر نمودار ہوا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں مہیب بادل کی طرح پھیل کر سارے ہندوستان پر چھا گیا اور انگریز نے ہندوستان کو غلام بنا لیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ہاتھوں دین تو تقریباً رخصت ہو ہی گیا تھا۔ دنیا بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ سرسید اور ان کے رفقائے کار کی کوششیں دینوی علوم کے احیاء اور جدید علوم عقلی کے اکتساب کے لئے وقف تھیں لیکن ہمارے علمائے دین نے جہاں ملک کی جدو جہد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا وہیں دینی علوم کی روایت کو زندہ رکھنے کیلئے برابر کوشاں رہے اور چند ایسے دینی قلعے وجود میں آئے جن میں دینی علوم کا چراغ بجھنے نہ پایا، جن میں ندوۃ العلماء کا دینی قلعہ بھی قابل ذکر ہے جو ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ میں قائم ہوا اور آج بھی اس کے دارالعلوم میں علوم دینی کا ارتقاء برابر جاری ہے اس دینی چراغ سے ایک چنگاری اڑ کر اورنگ آباد میں آ گری اور مولانا محمد سعید خاں صاحب کی مساعی جمیلہ سے ۱۹/ اپریل ۱۹۵۹ء کو شہر اورنگ آباد کی عظیم الشان تاریخی جامع مسجد کے مسقف حجروں میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کی بنیاد پڑی اور وہ دھبّہ بھی دھل گیا جو دینی علوم کے فقدان کی وجہ سے شہر اورنگ آباد کے دامن پر پڑا تھا اور اس طرح اس شہر کی وہ بنیادی کمی بھی پوری ہو گئی جس کے بغیر اس شہر کی ساری ترقیاں چاہے وہ تہذیبی ہوں، علمی ہوں، یا ادبی، بے معنی ہو کر رہ جاتی۔

اورنگ آباد (دکن)

سیاسی، ثقافتی اور سماجی زندگی کے آئینہ میں

ڈاکٹر محمد خضر، اورنگ آباد

اورنگ آباد (دکن) بین الاقوامی، تاریخی وسیاحتی شہرت یافتہ شہر ہے جس کے ہر محلے اور کوچے میں عظیم المرتبت علمائے کرام، صوفیائے عظام، شعراء، ادبا اور اپنے فن کے یکتائے روزگار محوخواب ہیں، جنھوں نے اپنی بے لوث خدمات، درس وتدریس، ارشاد وتلقین، رشد وہدایت اور اپنی گراں قدر تخلیقات سے اس شہر کو مانند ماہ شب تاب، مانند شیراز، بغداد اور قرطبہ کی طرح بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ آج بھی دینی درسگاہوں، عصری تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور طبی (میڈیکل) وانجینئرنگ دانشکدوں کی وجہ سے عصر جدید میں اورنگ آباد امتیازی مقام رکھتا ہے۔ علمائے کرام کی بے لوث اور پر خلوص خدمات اور مسلسل کاوشوں کی وجہ سے اس کی ارض وسماء ایمان کی روشنی سے معمور ہیں۔

شہر اورنگ آباد بابل ونینوا یا مصر کے ممفس اسکندریہ یا ہند کے بنارس اور پاٹلی پتر (پٹنہ) کی طرح بہت قدیم شہر نہیں ہے۔ اس کی عمر صرف چار سو برس ہے لیکن قرب وجوار میں قلعہ دولت آباد، اجنتہ کی غاریں اپنی بے مثال سنگ تراشی، ایلورہ کی غاریں سنگ تراشی ورنگ کاری پینٹنگز، مصوری، اورنگ آباد کی غاریں، بی بی کا مقبرہ، پنچکی، شہر پناہ، تاریخی دراز ےاور عمارتیں، بلند مینار، قلعہ کھنڈرات قابل رشک اور سحر انگیز ہیں۔ یہ سب ثقافت، کلچر، تمدن، ادب اور تاریخ، قوم کے مزاج کا مظہر ہیں جن کا ہر انداز اپنے اندر چار صدیوں کی حقیقتیں، رومانی کہانیاں، جنگ وجدل کی خوں آشام داستانیں اور علوم وفنون کی ابدی ماخذ سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان آثار قدیمہ کا ہر پتھر خموشی کی زباں سے قصہ پارینہ سنا رہا ہے۔ وہ گزرتے ہر لمحے کا شاہد ہے۔

شہر اورنگ آباد ریاست مہاراشٹر کے جنوب مشرقی علاقے مرہٹواڑہ کا صدر مقام ہے۔ اس کے پہلو سے کھام، شیونا، دودھنا اور گوداوری ندیاں بہتی ہیں۔ اورنگ آباد کھام ندی کے کنارے شمال میں ۵۳ ۱۹ء عرض البلد اور مشرق میں ۲۰ء ۷۵ طول البلد پر واقع ہے۔ اورنگ آباد، ممبئی، دہلی، حیدرآباد اور دیگر شمالی ہند اور جنوبی ہند کے شہروں سے روڈ، ریلوے اور فضائی راستوں سے منسلک ہونے سے سیاحتی وتجارتی مرکز بن گیا ہے جہاں پانچ، چار تین ستارہ اور عام ہوٹلیں اور آمد رفت کے تمام ذرائع مہیا ہیں۔

شہر اورنگ آباد کے تین عظیم معمار، ماہر تعمیرات اور شہر ساز گزرے ہیں: اول بانی شہر ملک عنبر (۱۶۰۴ء۔۱۶۲۶ء)، دوسرے اورنگ زیب (۱۶۶۳ء۔۱۷۰۷ء) اور تیسرے دور جدید کے ڈاکٹر رفیق زکریا، جنھوں نے اورنگ آباد کو خوبصورت بنانے، سنوارنے اور عوام کو راحت پہنچانے کے لیے کئی فلاحی مستحسن کارہائے نمایاں انجام دیے اس لیے تاریخ اورنگ آباد میں ان کے نام جاوداں ہوگئے۔

مغل حکمراں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ شمالی ہند کے بعد تمام دکن اور جنوبی ہند کے علاقوں پر ان کا اقتدار قائم ہو جائے۔ ابوالفضل نے ''اکبر نامہ'' اور محمد ابراہیم زبیری نے 'بستان السلاطین' میں لکھا ہے کہ (۱۰۰۹ھ م جولائی ۱۶۰۰ء) سقوطِ احمد نگر، دارالسلطنت نظام شاہی کے دوران کمسن شہزادے بہادر نظام کی سرپرست

حکمراں چاند بی بی قتل کر دی گئی اور بہادر شاہ کو گوالیار میں قید میں رکھا گیا۔ احمد نگر اور اس کا کچھ علاقہ مغلیہ سلطنت میں شامل ہو گیا لیکن وفادار ملک عنبر نے اس پر آشوب دور میں دوسرے نظام شاہی شہزادے مرتضیٰ نظام کو دولت آباد کے ناقابلِ تسخیر قلعہ میں منتقل کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر کے مغل افواج سے لوہا لیتا رہا۔ دولت آباد سے ۱۳؍کلومیٹر دور مشرق میں پتھریلی زمین اور پہاڑوں کے دامن میں ایک نئے شہر کی بنیاد ۱۶۰۰ء سے ۱۶۱۰ء کے درمیان رکھی۔ واقعات مملکت بیجاپور کا مؤرخ مولوی بشیر الدین واقعات مملکت بیجاپور میں تحریر کرتے ہیں کہ مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کے وزیر ملک عنبر نے ۱۶۰۴ء میں کھڑکی شہر بسایا۔ پتھریلی زمین کی وجہ سے اس شہر کو کھڑکی کہا گیا۔ مقامی زبان میں کھڑک کے معنی سخت پتھریلی زمین کے ہوتے ہیں۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ یہاں ایک چھوٹی سی بستی تھی جسے کھڑکی کہا جاتا تھا۔

ملک عنبر ایک عظیم عبقری شخصیت کا مالک تھا۔ ہمیشہ مغل افواج سے برسرِ پیکار ہونے کے باوجود اس نے نئے شہر کی تزئین و آرائش کی ہر ممکن کوشش کی۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لیے ایک محل بلند مقام پر تعمیر کروایا جسے ناخدا محل یا نوکھنڈہ محل کہتے ہیں جہاں آج مولانا آزاد کالج کا شعبہ نسواں ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فار ویمن' گورنمنٹ میڈیکل کالج و ہاسپٹل اور ڈینٹل میڈیکل کالج ہیں۔ نوکھنڈہ کے روبرو عظیم الشان مربع شکل کا تاریخی بھڑکل گیٹ ہے۔ ملک عنبر نے ۱۶۱۲ء میں مغل فوج کے سپہ سالار عبداللہ خان فیروز جنگ کو اسی شہر کے قریب شکست فاش دی تھی' اس فتح کی یاد میں اس نے یہ رفیع الشان بحرکل دروازہ (بھڑکل) تعمیر کروایا تھا۔ اس کو فتح دروازہ بھی کہتے ہیں۔ یہ دروازہ تعمیری انداز سے سمرقند' تاشقند اور اکبر کے فتح پور سیکری کے بلند دروازہ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ یہ فن تعمیر کا ایک اچھوتا نمونہ ہے۔ ملک عنبر کا ہمعصر مؤرخ مرزا ابراہیم زبیری ''بستان السلاطین'' میں اور بی جی تامسکر اپنی کتاب ''دی لائف اینڈ ورک آف ملک عنبر'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ملک عنبر نے مغل کمانڈر عبداللہ خان پر فتح کی یاد میں کھڑکی شہر کا نام فتح نگر رکھا لیکن بعض مؤرخین رقمطراز ہیں کہ ملک عنبر نے فتح نگر یہ نام اپنے فرزند فتح خان کے نام پر کھڑکی کا نام فتح نگر رکھا تھا لیکن حقائق کی روشنی میں زبیری کی بات زیادہ مصدقہ معلوم ہوتی ہے۔ جہانگیر نے اپنی خود نوشت حیات ''تو زکِ جہانگیری'' میں ملک عنبر کی دانشمندی اور بہادری کی تعریف کی ہے۔

ملک عنبر نے شہر کے مختلف محلوں میں پانچ مساجد جو کالی مساجد کہلاتی ہیں اور نوکھنڈہ محل سے کچھ فاصلہ پر شمال مشرق میں جامع مسجد تعمیر کروائی جس کی توسیع اورنگ زیب نے کی تھی جس کا شمار ہندوستان کی بڑی و وسیع مساجد میں ہوتا ہے۔ جس کے احاطہ میں ۱۹۵۹ء سے جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم علم دین کی اشاعت و ترویج کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامع مسجد اور بھڑکل دروازے کے درمیان ایک ہشت پہلو خوبصورت بلند دو منزلہ عمارت تعمیر کروائی جسے چیتہ خانہ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ براہمن پنڈتوں' دانشوروں اور مسافروں کے لیے تعمیر کیا تھا۔ یہ عمارت برسوں سے ٹاؤن ہال کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ کچھ عرصہ قبل تک اورنگ آباد بلدیہ کے دفاتر اسی میں تھے۔ ملک عنبر کے ہمراہ احمد نگر میں ایک امیر چیتہ خان تھا' بہت ممکن ہے کہ اس کی یاد میں اس نے چیتہ خانہ بنوایا ہو۔ مآثر الامراء کا مصنف شہنواز خان تحریر کرتا ہے کہ جامع مسجد کے سامنے پہاڑی کی پشت پر عنبری تالاب بنوایا تھا۔

رفاہِ عام کے لیے سب سے مستحسن اور حیرت انگیز کام اس کا زیر زمین آب رسانی کا انتظام ہے جسے نہر عنبری کہتے ہیں۔ ان نہروں کا جال شہر کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ان نہروں سے آج بھی صاف و شفاف پانی جاری ہے اور قدیم شہر کو یہی پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ اتنا عمدہ نظام آب رسانی ہے کہ کبھی اس کے پائپ اور منبع آب جنھیں مقامی زبان میں بمبا کہا جاتا ہے صاف کرنے اور درستی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

۱۶۲۶ء میں ملک عنبر کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا فتح خان حسین

نظام شاہ دوم کا وزیر بنا لیکن وہ اپنے والد کی طرح وفا شعار، بہادر اور حربی صلاحیت کا مالک نہیں تھا، شاہجہاں کے عہد میں مغل کمانڈر مہابت خان نے ایک سازش کے ذریعے فتح خان کو خرید لیا۔۱۶۳۳ء میں فتح خان نے قلعہ دولت آباد کے دروازے مہابت کی فوج کے لیے کھول دیے۔ والیٔ نظام شاہی سلطنت حسین نظام شاہ کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ اس طرح احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت، مغلیہ سلطنت میں ضم ہو گئی۔ شاہجہاں نے اپنے دادا اکبر کے خواب کو تعبیر دی۔ احمد نگر کی سلطنت تاریخ کا ایک یادگار حصہ بن کر رہ گئی۔

شاہجہاں نے ۱۶۳۶ء میں شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کا صوبیدار بنا کر روانہ کیا۔ خافی خان ''منتخب اللباب'' میں بھیم سین برہانپوری تاریخ دکشا میں، جے۔ این۔ سرکار، اورنگ زیب اور ایس۔ آر۔ شرما مغل ایمپائر میں تحریر کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کی دکن کی پہلی صوبیداری ۱۶۳۶ء تا ۱۶۴۴ء اور دوسری صوبیداری ۱۶۵۳ء تا ۱۶۵۷ء تک رہی۔ جے این سرکار اپنی کتاب ''اورنگ زیب'' جلد اول میں لکھتا ہے کہ اپنی پہلی صوبیداری کے دور میں اورنگ زیب نے کھڑکی کا نام اورنگ آباد رکھا لیکن بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ دکن کی دوسری صوبیداری کے زمانے میں کھڑکی کا نام اورنگ آباد رکھا گیا۔ حکومت کے دستاویزات میں اس کا نام خجستہ بنیاد بھی درج ہوا کرتا تھا۔ اورنگ زیب نے قلعے دولت آباد کے بالائی حصے پر بارہ دری اور کچھ عمارتیں تعمیر کروائیں کچھ عرصہ بعد اس نے اپنا صدر مقام دولت آباد سے اورنگ آباد میں نوکھنڈہ محل میں منتقل کیا۔ اورنگ زیب نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد آخری پچیس سال مراٹھا، بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کی قطب شاہی کے خلاف محاذ جنگ اور فتوحات کے سلسلے میں دکن کے مختلف مقامات میں گذارے۔

مراہٹوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے اورنگ زیب نے ۱۶۸۲ء میں شہر پناہ تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا۔ دیانت خان جو اورنگ آباد میں بیوتاتی کے فرائض انجام دے رہے تھے اس نے چار ماہ کی قلیل مدت میں چھ میل محیط کی فصیل شہر، ۱۳/ دروازے اور کھڑکیاں ۳ لاکھ مصارف سے تعمیر کیے۔ شہر پناہ اور قلعہ ارک کے اہم دروازے (۱) شمال میں دہلی دروازہ (۲) مغرب میں مکی دروازہ (۳) جنوب میں پٹن دروازہ اور (۴) مشرق میں روشن دروازہ (۵) قلعہ ارک کے نوبت دراوزہ، رنگین دروازہ اور کالا دروازہ اپنے تعمیری انداز کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ۱۶۹۲ء میں اورنگ زیب نے اپنے لیے قلعہ ارک جس میں مردانہ محل، زنانہ محل، زیب النساء محل، زنانہ مسجد اور شاہی مسجد تعمیر کروائیں۔ کھیترین بی ایسر ''کیمبرج ہسٹری آف انڈین مغل آرکیٹکچر'' میں تحریر کرتی ہیں کہ مغل فن تعمیر میں مغل حکمراں اور انکے امراء کا مزاج جھلکتا ہے۔ اورنگ زیب کی تمام عمارتوں میں تقدس اور سادگی نمایاں نظر آتی ہے۔ مشہور مؤرخ ہارون شیروانی اپنی تصنیف ''میڈول ڈکن'' میں تحریر کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کی دکن کی دوسری صوبیداری کے دور میں اورنگ زیب کی بیگم دلرس بانو المعروف بہ رابعہ درانی کا ۸/ اکتوبر ۱۶۵۷ء کو انتقال ہوا۔ بیگم پورہ میں کھام ندی کے کنارے تدفین عمل میں آئی۔ اورنگ زیب کے بیٹے اعظم شاہ نے اپنی ماں کی یاد میں مانند تاج خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا۔ ہم عصر مؤرخ غلام مصطفیٰ اپنی تخلیق ''تواریخ نامہ'' میں تحریر کرتا ہے کہ اس مقبرے کا معمار و مہندس عطاء اللہ تھا۔ اس کی تعمیر پر چھ لاکھ ۶۸ ہزار ۲۰۳ روپئے صرف ہوئے۔ مقبرے کی تعمیر ۱۶۵۷ء میں مکمل ہوئی۔ دنیا کی تین عظیم تاریخی عمارتیں ۱۶۵۷ء میں تعمیر ہوئی۔ تاج محل، بیجاپور کا گول گنبد اور بی بی کا مقبرہ یعنی مقبرہ رابعہ درانی اورنگ آباد۔ یہ دکن کا تاج کہلاتا ہے۔ بعض مؤرخین اسے تاج محل کا نقش ثانی کہتے ہیں۔ لیکن تاج محل کی تزئین کاری، حسن و جمال و نزاکت اس میں نہیں ہے۔ اس سے عیاں ہے اورنگ زیب کی سادگی۔ بی بی کے مقبرے کے قریب مغربی سمت میں مسجد ہے جو تاج محل کی مسجد اور لال قلعہ کی مسجد سے خوبصورتی میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ مقبرے کے احاطے کی چاردیواری

یعنی فصیل، چار دیواری سے منسلک مشرق و شمال میں وسیع ہال، فصیل کی مغربی دیوار سے ایک اور مسجد، مقبرے کا باب الداخلہ اور مغلیہ انداز میں چوطرفہ باغ کی تعمیر و آرائش دل کو موہ لیتی ہے۔ مقبرے کے چبوترے کے کونوں میں سامنے دو اور پیچھے دو بلند مینار اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ اس مقبرے میں بیگم اورنگ زیب دلرس بانو کا مزار ہے۔ اس لیے یہ ''بی بی کا مقبرہ'' نام سے مشہور ہے، جبکہ اورنگ زیب کا مزار ان کی وصیت کے مطابق مشہور عالم وصوفی زین الدین داؤ شیرازی متوفی ۱۳۶۹ء کے گنبد کے پہلو میں خلد آباد میں اورنگ آباد سے شمال مغرب میں ۶۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مزار ایک مٹی کی قبر کی طرح ہے جس پر کوئی گنبد نہیں، کوئی دلکش عمارت نہیں ہے پھر بھی زائرین کی توجہ اپنی طرف راغب کرتی ہے۔ مختلف مذاہب کے زائرین میں اس مزار کی زیارت کے لیے تجسس پایا جاتا ہے۔ پن چکی، نوکھنڈہ محل کے قریب جنوب مغرب میں ہے۔ مشہور عالم پن چکی دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اس کی تعمیر بابا شاہ مسافر کے خلیفہ بابا محمود شاہ نے کی۔ بابا شاہ مسافر اور ان کے پیر و مرشد بابا پلنگ پوش نقشبندیہ سلسلے کے صوفیائے عظام اسی احاطہ میں مدفون ہیں۔ بابا پلنگ پوش کا نام محمد سعید تھا اور بابا شاہ مسافر کا محمد عاشور دونوں بزرگ بخارا کے قریب عجد وان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے اور تصوف سے سرشار ہو کر کھام ندی کے کنارے نوکھنڈہ کے بالکل قریب بابا پلنگ پوش اور بابا شاہ مسافر نے اپنی خانقاہ رشد و ہدایت خدمت خلق کے لیے روشن کی۔ بابا پلنگ پوش کا انتقال ۱۶۹۸ء اور بابا شاہ مسافر کا انتقال ۱۷۱۴ء میں ہوا۔ بابا شاہ مسافر کے خلیفہ بابا شاہ محمود نے اورنگ آباد سے چار میل دور شمالی پہاڑی سے زیر زمین ایک نہر خانقاہ تک لائی۔ یہ نہر ملک عنبر کی نہر کی طرح زمین کے اندر کے پانی کے سوتوں سے لائی گئی۔ یہ نہر خانقاہ کی شمالی دیوار کے اوپر سے بڑے حوض میں مانند آبشار گرتی ہے۔ آج بھی ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً آٹھ لاکھ گیلن پانی یہ نہر فراہم کرتی ہے۔ خانقاہ کے مغربی حصہ میں اناج پسوانے کے لیے ایک بہت بڑی پتھر کی چکی نصب ہے۔ جب اناج پسوانا ہوتا تھا تو دیوار سے حوض میں گرتا ہوا پانی موڑ کر ایک پائپ کے ذریعہ چکی کے زیریں حصے میں جدید پنکھوں کی طرح جو چکی کو لگے ان پنکھوں پر گرتا ہے اور چکی کے پاٹ زور سے گھومنے لگتے اور تھوڑے وقت میں بغیر مشقت کے منوں اناج پیسا جاتا تھا۔ یہ آٹا فقراء مہمان اور طلباء جو اس خانقاہ میں قیام پذیر تھے ان کے کام آتا۔ اس پن چکی کی تکمیل کے بعد ایک شاعر نے کہا ؎

''تشنگان را جوئے محمود آب داد''

بابا شاہ محمود نے فارسی میں اپنے پیر و مرشد بابا شاہ کے ملفوظات نقشبندیہ رقم کیے جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

یہ پن چکی انجینئرنگ کا کمال۔ پن چکی، خانقاہ، حوض، گنبد وغیرہ اورنگ زیب کے امراء ترکتاز خان، جمیل بیگ، مومن بیگ وغیرہ نے تعمیر کروائے۔ نوکھنڈہ کے قریب کا خانقاہ کا باب الداخلہ بابا محمود نے تعمیر کروایا تھا اس لیے آج بھی یہ دروازہ محمود دروازہ کہلاتا ہے اس میں دور میں اورنگ آباد میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ نور حموی، شاہ غلام حسن، سید احمد گجراتی، حضرت سید شاہ فخر الدین نقشبندی، حضرت شاہ علی نہری اور کئی صوفیائے کرام اور ہندو سنت نپٹ نرنجن، انت ناتھ، کرشن داس، وناٹک نند سرسوتی وغیرہ نے اپنی نظموں، گیتوں اور ملفوظات اور رشد و ہدایت کے ذریعہ پیغام انسانیت کو عام کیا اور خوشگوار سماجی ماحول کی آبیاری کی۔

۱۷۰۷ء میں احمد نگر میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ ۱۷۲۴ء میں نواب میر قمر الدین نظام الملک آصف جاہ نے نوکھنڈہ محل میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا لیکن کبھی بادشاہ کے طور پر القاب اختیار نہیں کیے اور ان کے وارثوں نے بھی آخر تک نواب اور میر کے القاب آصف جاہی کے آخری دن ستمبر ۱۹۴۸ء تک اختیار کیے۔ میر قمر الدین نظام الملک نے نوکھنڈہ میں بارہ دری اور کچھ عمارتوں کا

اضافہ کیا۔ ایک محل دہلی دروازہ اور قلعہ ارک کے قریب تعمیر کروایا آج یہ صوبیداری گیسٹ ہاؤس کہلاتا ہے۔ گلشن محل اور کئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ان کے جانشین نواب نظام علی نے ۱۷۶۳ء میں اپنا صدر مقام اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل کیا۔

نواب میر قمر الدین سے لے کر آخری نظام میر عثمان علی نے بلالحاظ مذہب تمام عوام کی راحت و آسائش کے لیے مستحسن کام کیے۔ ثقافتی کلچر اور تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی کئی کام انجام دیے۔ اردو سرکاری زبان بن گئی۔ دفتر کے تمام امور اردو میں ہونے لگے۔ انجمن ترقی اردو کی بنیاد شہر اورنگ آباد میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے رکھی۔ یہیں کے تعلیمی ادارے کے وہ پرنسپل تھے۔ ان کے سایہ شفقت میں کئی نوجوان ادیب، شاعر، مؤرخ اور اہل قلم ہوئے۔

۱۹۴۸ء میں پولس ایکشن کے تحت آصاف جاہی ریاست انڈین یونین میں ضم کر لی گئی۔ اس کا مرہٹواڑہ مغربی علاقہ، نئی ریاست مہاراشٹر جنوب مشرقی حصہ بن گیا اور اورنگ آباد اس کا صدر مقام ہے۔ جب ڈاکٹر رفیق زکریا ریاست مہاراشٹر کے شہری ترقی کے وزیر تھے تب انھوں نے ملک عنبر اور اورنگ زیب کی طرح ہر ممکن کوشش کی۔ شہریوں اور کسانوں کی پانی کی قلت اور تکلیف سے نجات دلانے دریائے گوداوری پر پیٹھن کے قریب جائیکواڑی بند بنوایا۔ اس سے متصل گیا نیشور باغ، اورنگ آباد پر بھنی آکاشوانی، بین الاقوامی طیران گاہ (ایئر پورٹ) وغیرہ تعمیر کروائے۔ مولانا آزاد کالج، شعبہ نسواں (اورنگ آباد کالج فار وویمن)، فارمیسی کالج، فارمیسی ڈپلومہ کالج، بی ایڈ کالج۔ ٹیکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ، ایم بی اے انسٹی ٹیوٹ اور کئی تعلیمی ادارے قائم کیے۔ نیز پانچ ستارہ تاج پریسڈنسی ہوٹل اور انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ قائم کیے۔ اورنگ آباد اور اس کے قرب وجوار میں جو تاریخی باقیات پھیلے ہوئے ہیں ان کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ٹورسٹ محکمہ، ٹورسٹ سینٹر، ریسورٹ، ہالی ڈے کیمپ وغیرہ قائم کیے گئے۔ تاریخی ورثہ اور جدید ترین سہولتوں کی وجہ سے اورنگ آباد ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ سیاحتی مرکز بن گیا ہے۔

اورنگ آباد کے قرب وجوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو اورنگ آباد سے ۱۳ کلومیٹر مغرب میں واقع قلعہ دولت آباد، ایک چھوٹا سا شہر اور خلدآباد ہے، جس کے دامن میں قدیم اردو دکھنی کی نشو ونما ہوئی۔ مبارک خلجی کے ساتھ امیر خسرو ۱۳۱۸ء میں دولت آباد آئے تھے، اس وقت یہ دیو گیری کہلاتا تھا۔ وہ یہاں کے قدرتی ماحول سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ انھوں نے ۱۸۰ اشعار کی ایک مثنوی ''صحیفۃ الاوصاف''، لکھی۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ادب نباشد اگر جنبش لقب گویم
ولی فرق نگویم کہ جنتِ شداد

میں اس کو یعنی دیوگیری کو جنت کہتا لیکن ڈرے کہ کہیں یہ جنت شداد نہ سمجھی جائے۔ مشہور ہم عصر مؤرخ عصامی ''فتوح السلاطین'' میں تحریر کرتا ہے کہ قلعہ دیوگیری کی سیاسی اہمیت کے پیش نظر محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دہلی سے دیوگیری کو ۱۳۲۷ء میں منتقل کیا اور اس نے اس کا نام دولت آباد رکھا۔ کئی سلاطین کے باقیات یہاں بکھرے ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر قلعہ دولت آباد ایک عظیم تاریخی ورثہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں سے پندرہ کلومیٹر شمال مغرب میں شہرۂ آفاق غارہائے ایلورہ ہیں جن کی سنگتراشی کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایک سے نونمبر کی غاریں بدھ مت کی ہیں اور سولہویں غار کیلاش مندر کہلاتی ہے یہ ہندومت کی ہے۔ یہاں کی مورتیوں کی سنگتراشی داد تحسین وصول کرتی ہے۔ ۳۰ تا ۳۵ نمبر کی غاریں جین مت کی ہیں۔ فرانسیسی سیاح برسینیز اپنی کتاب The Mogar میں لکھتا ہے کہ اورنگ زیب اپنے افراد خاندان کے ساتھ یہ غاریں دیکھنے جایا کرتے تھے۔

اورنگ آباد کے شمال میں تقریباً ۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر اجنتا شہر ہے اس کے قریب کی پہاڑیوں میں دنیا کی مشہور ترین غارہائے اجنتا

ہیں۔مشہور جغرافیہ داں ودانشور ٹالمی اور چینی سیاح' ہیون سانگ نے ان غاروں کی رنگ کاری' پینٹنگز اور سنگتراشی کا ذکر کیا ہے۔ یہ غاریں پینٹنگز کے لیے مشہور ہیں جبکہ ایلورہ کی غاریں سنگتراشی کے لیے۔

اورنگ آباد کے جنوب مشرق میں ۴۵ کلومیٹر دور قدیم تاریخی شہر پٹن ہے جسے پیٹھن بھی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں براہمہ نے جنم لیا تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں ساتواہن نے اپنا اقتدار دکن کے ایک بڑے حصے میں قائم کیا تھا۔ اور پیٹھن کو اپنی راجدھانی بنایا تھا۔ ۷۸ء میں انہوں نے ساتواہن شک جاری کیا تھا۔

اورنگ آباد شہر کے قیام ۱۶۱۰ء سے آج تک ان چار سو سالوں میں سیاسی' ثقافی (کلچرل)' ادبی وعلمی' دینی شعبہ جات میں اس سپہر جہاں نے کئی تغیرات دیکھے۔ ملک عنبر اثناءعشری مذہب سے تعلق رکھتا لیکن معاشرتی نقطۂ نظر سے شیعہ وسنی میں امتیاز مشکل تھا۔ مدرسے مساجد سے منسلک تھے۔مغل دور حکومت میں خصوصاً عالمگیر کے دور حکومت میں سیاسی وسماجی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ علوم دینی کو فروغ حاصل ہوتا رہا' اور اہل احناف کا غلبہ رہا۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے علم دین سے رشد وہدایت سے ارشاد وتلقین سے سماجی زندگی کو نکھارتے رہے۔ اخلاقی اقدار کو سنوارتے رہے۔ آصف جاہی دور حکومت یعنی جدید دور کے آغاز میں علم چند مکتبوں اور مسجدوں میں سمٹ کر رہ گیا۔ صوفیائے عظام کی درگاہیں مرکز خاص وعام ہوگئی تھیں اور شعر وشاعری بھی عام ہوگئی تھی۔ علمائے کرام اپنے مدرسوں میں محصور تھے۔عوام سے براہِ راست ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ صورت حال اورنگ آباد کی ہی نہیں تھی بلکہ تمام ہندوستان کی تھی۔شاہ نظام الدین اورنگ آبادی' شاہ حضرت سعید پلنگ پوش' بابا شاہ مسافر' بابا شاہ محمود اور دوسرے کی صوفیائے عظام سیاست اور سماج پر زبردست اثر ورسوخ رکھتے تھے لیکن علماء کرام میں کوئی اتنا عظیم المرتبت نہیں تھا کہ معاشرے اور سیاست میں تبدیلی لاسکے۔ دینی مدارس صرف ابتدائی سطح کے تھے۔اس لیے عوام میں دینی وسیاسی شعور نہیں تھا۔ عصری تعلیم بھی محدود تھی۔ اکثر کلاس چہارم کی ملازمت میں خوش تھے۔ بہت کم مسلم اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

مسلم سماج کئی طبقات اور ذاتوں میں منقسم تھا: (۱) اشرافی طبقہ بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں (۲) متوسط طبقہ بڑے تاجروں اور صنعت کاروں کا' جو تعداد میں بہت تھے۔ دراصل تجارت اور صنعت وحرفت غیر مسلم کے ہاتھ میں تھی۔ (۳) صناع اور کاریگروں کا طبقہ۔ (۴) مزدوروں کا طبقہ یہ بہت بڑا طبقہ تھا۔ (۵) فقراء ومساکین کا طبقہ جنھیں اپنے سلسلوں پر ناز تھا۔

مسلمانوں میں دینی شعور کا آغاز دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام سے ہوا۔ ان سے قبل جن علمائے کرام نے کوششیں کیں انہیں وہابی اور بے دین کہا گیا۔ امت مسلمہ خرافات میں کھوگئی تھی۔ اورنگ آباد میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کی تاسیس ۱۹/اپریل ۱۹۵۹ء کو ہوئی۔ مولانا سعید خاںؒ اور ان کے رفقاء نے اور ساتھ ہی تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی ہند نے نہایت ہی نامساعد حالات میں علم دین اور عصری تعلیم سے مفلس کدوں کو بھی روشن کیا۔

دنیاوی لحاظ سے، عصری تعلیم کے لحاظ سے، تجارت اور مختلف فنون کے شعبہ جات میں اورنگ آباد کے نوجوان مسلم رواں دواں ہیں۔ ہندوستان میں تعلیم نسواں کا بھی اوسط اورنگ آباد میں سب سے زیادہ ہے۔ سیاست کوئی کروٹ لے ماشاءاللہ فہم وذکاء کے دریچے کھلتے جارہے ہیں۔ حالات کو بدلنے میں دینی مدارس' عصری مدارس کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی ہند اورنگ آباد قابلِ ستائش کام انجام دے رہی ہیں۔ ضرورت ہے غریب بچوں میں دینی شعور اور عصری تعلیم کے لیے شعور بیدار کرنے اور انہیں صحیح راہ پر لانے کے لیے پیہم کوشش کی۔ ہم نے دنیا پر حکومت کی لیکن آج ہم کس مقام پر ہیں یہ سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اورنگ آباد کے دینی ادارے۔ایک جائزہ

از: مولانا محمد کلیم الدین کاشفی ندوی
(استاذ عربی زبان وادب جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ

آج مسلمانانِ ہند جس شدید بحرانی دور سے گذر رہے ہیں اس نے ملت کے ہر فرد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ دنیائے اسلام پر اس سے بڑی قیامتیں بھی گزری ہیں اور متعدد بار مسلمان ان صبر آزما مراحل سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ بھی ہوئے ہیں لیکن موجودہ صورتحال جس میں ہندوستانی مسلمان خود کو گھرا ہوا پا رہے ہیں وہ نسبتاً زیادہ سنگین اس لئے ہے کہ ہم اس صورت حال سے کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے موقف میں نہیں ہیں۔ ہماری بے سروسامانی، اندرونی انتشار، مرکزی قیادت کا فقدان، اسلامی تعلیمات کو اپنے شبانہ روز کے اعمال کا حصہ بنانے سے شعوری یا غیر شعوری گریز، معاشی پستی، ناعاقبت اندیشی، کھوکھلی جذبات پرستی اور نہ جانے کتنے ایسے منفی رجحانات ہیں جن کی بدولت ہماری تاریخ کے اس نازک ترین مرحلے میں ہم اپنی موجودہ دشمن قوتوں سے پنجہ آزمائی کی طاقت بھی کھو چکے ہیں لیکن اسلام کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ ہر کربلا کے بعد زندہ تر ہوتا ہے اس لئے ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ مایوسی کفر ہے۔صرف جذبۂ ایمانی کو صحیح ڈھنگ سے بروئے کار لانا شرط اولین ہے۔

یہ تو ممکن نہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی اقلیت کو نیست و نابود کر دیا جائے یا اس کی نقل مکانی عمل میں لائی جائے لیکن یہ ممکن ضرور ہے کہ ہمیں معاشی اعتبار سے تباہ و برباد کر دیا جائے۔ملکی و انتظامی معاملات میں ہمارے عمل دخل کو برائے نام رکھا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے مذہبی تشخص اور ثقافتی شناخت کو ملیا میٹ کر دیا جائے اس لئے ہمارے زعمائے ملت کو ایسی طویل المدت حکمت عملی تیار کرنی ہوگی جو دوررس نتائج کی حامل ہو۔ایسی حکمت عملی جس کی بدولت فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ہمارا ملی تشخص اور تہذیبی شناخت بھی برقرار رہے اس حکمت عملی میں دینی تعلیم کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دینے ہی سے اس ملک میں ہمارا انفرادی اور تہذیبی وجود برقرار رہ سکتا ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ لادینیت کے اس عالمگیر اندھیرے میں جس سے دنیائے اسلام بھی محفوظ نہیں، ہمارے ملک میں دینی درسگاہوں کی شکل میں چند ایسے چراغ آج بھی ٹمٹمار ہے ہیں جن کی کمزور روشنی میں امید کی وہ کرن صاف نظر آرہی ہے جس میں آفتاب بننے کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں ۔ اس ناتواں کرن کو زندہ رکھنے والا ایک چراغ ریاستِ مہاراشٹر کے تاریخی شہر اورنگ آباد میں بھی جل رہا ہے جسے ہم ’’جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم‘‘ کے نام سے جانتے ہیں۔

(۱) جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، اورنگ آباد:

حضرت مولانا الحاج محمد سعید خان صاحب کی مساعی جمیلہ سے ۱۹؍اپریل ۱۹۵۹ء م ۱۰؍شوال المکرم ۱۳۷۸ھ کو شہر اورنگ آباد کی عظیم الشان تاریخی جامع مسجد کے مسقف حجروں میں جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کی بنیاد پڑی۔اس تاریخی جامع مسجد کی تعمیر میں دو نیک فرماں روا یعنی ملک عنبر اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کا حصہ ہے، اور اس مسجد کا شمار ہندوستان کی چند عظیم مساجد میں ہوتا ہے تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری کی تدوین یہیں ہوئی تھی۔اور وہ دھبہ بھی دھل گیا جو دینی علوم کے فقدان کی وجہ سے شہر اورنگ آباد کے دامن پر پڑا تھا اور اس طرح اس شہر کی وہ بنیادی کمی بھی پوری ہوگئی جس کے بغیر اس شہر کی ساری ترقیاں چاہے

وہ تہذیبی ہوں، علمی ہوں، یا ادبی، بے معنی ہو کر رہ جاتیں۔

حضرات! جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کو صرف شہر اورنگ آباد کی نہیں، علاقہ مراٹھواڑہ کی نہیں بلکہ دکن کی پہلی علمی ودینی درسگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اس جامعہ میں ندوۃ العلماء کے طئے کردہ نصاب کے مطابق سندی درجے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اس میں کئی شعبہ جات ہیں۔ مجلس تعلیمی، دارالافتاء والقضاء، شعبۂ تعمیر وترقی، شعبۂ نشرواشاعت، شعبۂ نظامت، شعبۂ دعوت وتبلیغ، شعبۂ تصنیف وتالیف، شعبۂ ترجمہ، شعبۂ ثقافت عامہ، جمعیۃ الطلبۃ، جمعیۃ الاصلاح، النادی العربی، بزم صحافت، دارالاخبار وغیرہ۔

جامعہ نے اپنا تعلیمی کورس تین تعلیمی حلوں میں تقسیم کیا ہے۔ ابتدائیہ، ثانویہ اور عالیہ۔ تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر، تجربہ کار اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اس جامعہ میں ناظرہ قرآن وحفظ قرآن سے لے کر عربی زبان کی تعلیم، تاریخ اسلامیات، دینیات، علم فقہ، علم حدیث، فلسفہ، منطق، انشاء، عربی نحو، عربی صرف، عربی زبان وادب کے ساتھ ساتھ ریاضی، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، اور علاقائی زبان مراٹھی اور مادری زبان اُردو وانگریزی کی تعلیم کا انتظام ہے۔ جامعہ فارغ التحصیل طلبہ اور اساتذہ کی تربیت کے لئے ہر سال تربیتی کیمپ منعقد کرتا ہے اس کے علاوہ وہ اسلامی موضوعات پر توسیعی خطبات کا باقاعدگی سے انعقاد اس کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کی خوش قسمتی ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں یہاں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے دو سمینار منعقد کئے جانے کے زریں مواقع حاصل ہوئے چنانچہ پہلا سمینار ۷/۸/۹/ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ''نعتیہ شاعری'' کے عنوان پر منعقد ہوا۔ دوسرا سمینار ۷/۸/۹/ اپریل ۱۹۹۵ء کو ''ادب میں سفرناموں کی اہمیت'' پر منعقد ہوا۔

گذشتہ سال رابطہ کے سربراہ روح رواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا نظر کرم وچشم عنایت نے ایک بار پھر ۷/۸/ جون ۲۰۰۹ء کو رابطہ کا عظیم الشان سمینار بعنوان ''مختلف زبانوں میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ'' جامعہ کو میزبانی کا شرف عنایت فرمایا۔ ہم اپنی قسمت پر نازاں ہونے کے بجائے حضرت مولانا دامت برکاتہم کے ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے ایک بار پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اہم وعظیم الشان اجلاسِ مجلس عاملہ مؤرخہ ۶/۷/ جون ۲۰۱۰ء کو جامعہ کو میزبانی کا شرف عنایت فرمایا۔

جامعہ کے زیر سرپرستی علاقۂ مراٹھواڑہ میں ۷۵/ کے قریب مکاتب چل رہے ہیں جن کا کام علاقے کے مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کر کے غیر اسلامی رسوم ورواج اور اوہام وخرافات ترک کرنے کی تلقین کرنا بھی ہے۔ جامعہ سے ملحقہ مکاتب کی نگرانی، معائنہ اور ان سے ربط قائم رکھنے کا کام شعبہ اہتمام کے ذمے ہے۔ مختلف مقامات سے تحصیل علم کے لئے آنے والے طلباء کے لئے دارالاقامہ بھی قائم ہے اور لائبریری میں دینی وعلمی کتابوں کا وقیع سرمایہ ہے۔ غرض دکن کی یہ تعلیمی درسگاہ سرزمین مراٹھواڑہ اور شہر اورنگ آباد میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں اپنے فرائض منصبی بفضل ایزدی حسن وخوبی سے انجام دے رہی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس جامعہ کے سرپرست اعلیٰ رہے اور اب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ہے اس جامعہ کے ناظم فخر مرہٹواڑہ حضرت مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی مدظلہ العالی ہے۔ صدر مجلس عاملہ جناب الحاج نور محمد حاجی محمد عثمان صاحب ہے۔

مہتمم تعلیمات: حضرت الحاج مولانا محمد مجیب الدین صاحب قاسمی

صدر مدرس: حضرت الحاج مولانا محمد نسیم الدین صاحب مفتاحی

تعلیمی مراحل: درجات روضۃ الاطفال، ابتدائیہ، ثانویہ، عالیہ پر مشتمل ہے۔ عالمیت سندی سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب کے مطابق عمدہ تعلیم کا نظم ہے۔

شعبہ جات: شعبۂ نظامت، شعبۂ اہتمام، شعبۂ نشرواشاعت، شعبۂ تعمیر وترقی، شعبۂ حفظ وتجوید وقرأت، شعبۂ دعوت وتبلیغ، دارالافتاء والقضاء، ثقافتی شعبے، تربیتی کیمپ، شعبۂ حفظ ودینیات برائے عصری اسکولس۔

تعداد ملحقہ مکاتب: ۲۱۹

تعداد فارغین جامعہ: فارغ طلبہ عالمیت ۶۹۳
فارغ طالبات عالمیت ۴۲۶
تعداد فارغین تربیتی کیمپ برائے عصری اسکول ۱۸۳۹

تعلیمی شعبہ جات: اول مکتب تا عالیہ ثانیہ عربی درجات اور شعبۂ حفظ
تعداد مکاتب: ۸/عدد
تعداد فارغین طلبہ شعبہ جات: شعبۂ حفظ سے ۱۵

(۲) مدرسہ معہد انوار العلوم (نگینہ مسجد اورنگ آباد):

سنِ قیام : ۱۹۶۸ء م ۱۳۸۷ھ
مدرسہ کا پورا پتہ: نگینہ مسجد نواب پورہ۔ اورنگ آباد مہاراشٹر
فون نمبر: 0240-2340871
سر پرست : جناب سید شاہ سلیم الدین ترمذی
الحاق : دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
صدر انتظامی کمیٹی: جناب عبد الغفار خان صاحب
ناظم مدرسہ : مولانا قاضی اختر الدین صدیقی فیضی
مہتمم مدرسہ: مولانا محمد اسحاق ملّی
صدر مدرسہ: مولانا نذر احمد خان صاحب ندوی
نوعیت اور مدت نصاب تعلیم: اول مکتب تا ششم عربی و شعبہ حفظ و تجوید
تعلیمی شعبہ جات: شعبہ عالمیت، شعبہ حفظ، شعبہ دینیات
تعداد مکاتب: ۶/عدد
تعداد فارغین: ۲۵۰

(۳) جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، اورنگ آباد:

سن قیام : ۱۹۶۸ء
مدرسہ کا پورا پتہ : رحیمیہ مسجد، باجی پورہ۔ اورنگ آباد
فون نمبر : 0240-2300263
کارگذار ناظم: مولانا صغیر احمد صاحب
الحاق : دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
صدر انتظامی کمیٹی: سید حسین رفعت
مہتمم مدرسہ: مولا احمد عمران صاحب ندوی
کارگذار صدر مدرس: مولانا محمد مصطفیٰ کاشفی ندوی صاحب
نوعیت اور مدت نصاب تعلیم: مدت تعلیم دس سال

(۴) جامعہ اسلامیہ دار العلوم، اورنگ آباد:

سن قیام : ۱۶/رجب المرجب ۱۴۰۳ھ م یکم اپریل ۱۹۸۳ء
مدرسہ کا پورا پتہ: جامعہ اسلامیہ دار العلوم، یکخانہ مسجد، شاہ سراج روڈ
سٹی چوک۔ اورنگ آباد
سر پرست : حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی (دیوبند)
مہتمم : مفتی محمد معز الدین قاسمی
صدر المدرسین: مولانا منصب خان قاسمی
ناظم مرکز : مولانا عبد العزیز قاسمی
الحاق : دار العلوم دیوبند (الحاق نمبر ۴۹۰)
نصاب تعلیم: درس نظامی (مطابق دار العلوم دیوبند)
مع ضروری جزوی عصری تعلیم
شعبہ جات: ابتدائی دینیات، فارسی، عالمیت
(از اول عربی تا پنجم عربی)، تجوید شعبۂ حفظ، مراٹھی و انگریزی وغیرہ
جامعہ دار العلوم اورنگ آباد کا ترجمان: ماہنامہ ''انوار دار العلوم''

(۴) جامعۃ الرضوان الاسلامیہ، اورنگ آباد:

سن قیام : ۱۴۱۰ھ م ۱۹۸۹ء
مدرسہ کا پورا پتہ : سینٹرل ناکہ روڈ، روشن گیٹ اورنگ آباد
صدر انتظامی کمیٹی: ڈاکٹر قاضی بہاؤ الدین **(9822014717)**
ناظم مدرسہ : مولانا محمد عمر خان ندوی 9372002022
صدر مدرس : مولانا محمد ہارون صاحب ندوی 9766215585
نوعیت تعلیم اور مدت نصاب: مکتب، شعبۂ عالمیت (عالیہ اولیٰ تک)
تعلیمی شعبہ جات: عالمیت، شعبۂ حفظ، دینیات، ناظرہ
تعداد فارغین طلبہ شعبہ جات: تکمیل حفظ ۵۵

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

اورنگ آباد کی تاریخ

اورنگ آباد - ایک مختصر جائزہ

احمد اقبال (اورنگ آباد)

اورنگ آباد کی تشکیل و تعمیر نو کے زمانے میں ملک کے ایک بڑے حصہ پر مغلوں کی حکومت تھی۔ بقیہ حصے میں کئی چھوٹی بڑی سلطنتیں تھیں جو آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتیں لیکن حکمراں اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں سے غافل نہ رہتے تھے۔ ہندو مسلمان مل جل کر رہتے تھے' ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک رہتے۔ حکمراں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اپنی رعایا سے یکساں اور مساوی سلوک کرتے۔ ان کی فوج میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہوتے۔ یہ فوجی اپنے آقاؤں کے وفادار اور جاں نثار ہوتے۔

سطح مرتفع دکن پر واقع شہر اورنگ آباد کو تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کوہساروں اور لالہ زاروں کے درمیان واقع یہ شہر گذشتہ چار سو سال سے زمانے کے اُتار چڑھاؤ اور سرد و گرم دیکھ رہا ہے۔ صوفی سنتوں' ادیبوں اور شاعروں' ہنر مندوں' یہاں کی بعض عمارات تہذیب و تمدن کی وجہ سے اس شہر کو عالمی نقشے میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آج جہاں اورنگ آباد شہر واقع ہے' یہاں پہلے ''کھڑکی'' نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہوا کرتا تھا' جو نظام شاہی حکومت احمد نگر کے حدود میں شامل تھا۔ نظام شاہی حکومت کا ایک وزیر حبشی نژاد ملک عنبر تھا۔ وہ چونکہ افریقہ سے پہنچا تھا۔ یہاں آ کر اس کی پوشیدہ صلاحیتیں اور جوہر کھلنے لگے۔ اس کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے:

''غربت میں آ کے چمکا' گمنام تھا وطن میں''

ملک عنبر بڑی خوبیوں کا مالک تھا وہ بیک وقت ایک فعال دور اندیش بیدار مغز مدبر سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک موجد' انجینئر اور معمار بھی تھا۔ حالانکہ اس کا صدر مقام دولت آباد تھا جہاں ایک مضبوط قلعہ اور فصیل شہر کی وجہ سے اُسے ہر طرح کا تحفظ اور اطمینان حاصل تھا لیکن وہ ''کھڑکی'' کی تعمیر نو بھی چاہتا تھا۔ اُسے اس مقام کا محل وقوع' آب و ہوا بے حد پسند تھی' چنانچہ اس نے ایک منصوبے کے تحت ''کھڑکی'' کی از سرِ نو تعمیر شروع کی۔ کھڑکی کا نام بدل کر ''فتح نگر'' رکھا۔ آس پاس کے پہاڑی اور میدانی علاقوں کا از خود جائزہ لیا۔ محلات' مندروں' مسجدوں کے لیے جگہ مختص کی۔ عام لوگوں کے لیے مکانات تعمیر کروائے، سڑکیں بنوائیں، درخت لگوائے اور وہ شہرۂ آفاق ''نہری عنبری'' بنوائی جس کا فیض زمانۂ حال تک جاری تھا۔ نہر عنبری ملک عنبر کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس نہر سے دن رات پانی کی سربراہی ہوتی ہے۔ ہر گھر میں فوارے والے حوض ہوتے تھے' لیکن افسوس' موجودہ زمانے میں اس نہر کی ٹوٹ پھوٹ اور بربادی کی طرف سے دانستہ چشم پوشی کی جا رہی ہے' نتیجہ یہ کہ آج جائیکواڑی تعلقہ پٹن سے آبرسانی ہوتی ہے جس پر کروڑوں کے مصارف ہو رہے ہیں۔ نہرِ عنبری کو دوبارہ کار آمد بنایا جا سکتا ہے۔

ملک عنبرؒ نے کئی عمارتیں اور دروازے' جن میں بھڑکل دروازہ بھی شامل ہے' تعمیر کروائے۔ مساجد کو چونکہ اسلام میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اس لیے دوسرے حکمرانوں کی طرح کئی مساجد تعمیر کروائیں۔ ان میں بطور خاص جامع مسجد' کالی مسجد چوک' کالی مسجد شاہ بازار' کالی مسجد جنسی قابلِ ذکر ہیں۔

ملک عنبر اور اورنگ زیبؒ کی تعمیر کردہ کئی عمارتیں آج بھی اچھی حالت میں ہیں اور زمانے کے سرد و گرم کے باوجود سر اٹھائے عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔ اورنگ زیبؒ ایک علم دوست' رعایا پرور اور خدا پرست حکمراں تھے۔ وہ جب بطور صوبہ دار دکن آئے تو انہیں کھڑکی یا فتح نگر کی صورت میں

ایک بنا بنایا اور آباد شہر مل گیا۔ انھیں بھی یہاں کا محل وقوع، آب وہوا کے ساتھ ساتھ نہر عنبری کا صاف شفاف میٹھا پانی بے حد پسند آیا، لہٰذا انھوں نے بھی اسے اپنا مستقر بنا کر اس کا نام فتح نگر سے اورنگ آباد کر دیا۔ اورنگ زیبؒ نے بھی اپنے پیشروکی طرح یہاں انتظام سلطنت کے ساتھ کئی عمارتیں بنوائیں جن میں قلعہ ارک، فصیل شہر، شاہی مسجد، نوکھنڈہ محل وغیرہ جامع مسجد کی توسیع بھی کروائی گئی۔

بتایا جاتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے ماتحت سرداروں اور راجاؤں کی تعداد باون تھی۔ اس لیے انھوں نے شہر میں باون محلے آباد کیے۔ کچھ مشہور محلے یہ ہیں، جئے سنگھ پورہ، جسونت پورہ، راجہ بازار، بیگم پورہ، بائجی پورہ، ڈھوجی پورہ، اورنگ پورہ، چیلی پورہ، جونا بازار، نواب پورہ، شاہ بازار وغیرہ۔

اورنگ زیبؒ کے عہد میں اورنگ آباد اپنی ترقی کے بامِ عروج پر تھا۔ ۱۷۰۷ء میں اُن کے انتقال کے بعد عظیم الشان مغل سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ان کے جانشین کمزور اور نااہل نکلے، لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی نکل کر سامنے آیا کہ عوام نے شمالی ہند کے اقتدار سے نجات حاصل کر لی۔ دکن کا پورہ علاقہ اس تبدیلی سے متاثر ہوا۔ کئی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں میر قمر الدین چین قلیج خان، نظام الملک آصف جاہ اول کا لقب اختیار کر کے، حکومت آصفیہ کے اولین حکمراں بنے اور اورنگ آباد کو انھوں نے اپنا مستقر بنایا۔ ان کے عہد میں اورنگ آباد نے خوب ترقی کی۔

کچھ عرصہ بعد اورنگ آباد کے بجائے حیدرآباد کو پایہ تخت بنانے سے یہاں کی چہل پہل اور وقار حیدرآباد منتقل ہو گیا۔

پایہ تخت کی اس طرح کی تبدیلی محمد تغلق کے عہد میں بھی ہوئی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ محمد تغلق نے اپنا پایہ تخت دہلی سے دیوگری (موجودہ دولت آباد) منتقل کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے پھر دہلی کو اپنا پایہ تخت منتقل کر دیا۔ دیوگری آتے ہوئے وہ اپنے ساتھ فوج کے علاوہ ہزاروں عام لوگوں کو بھی لایا تھا۔ ان میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے۔ ان میں علمائے کرام اور صوفیاء بھی تھے۔ لیکن واپسی کے موقع پر، ان میں سے بیشتر نے یہیں سکونت اختیار کرنا پسند کیا۔ اس کا بڑا خوشگوار اثر دیکھنے کو ملا۔ معاشرے میں مختلف سطحوں پر تبدیلیاں آئیں۔ لوگ ایک دوسرے میں گھل مل گئے۔ رسوم ورواج متاثر ہوئے۔ علمائے کرام نے مقامی لوگوں میں گھل مل کر اور مقامی زبانیں سیکھ کر بندگان خدا میں دین کی دعوت کا آغاز کیا۔ اس میل جول سے ایک نئی زبان، جسے بعد میں اردو کہا جانے لگا، وجود میں آئی۔ اورنگ آباد کے اردو کے اولین شعراء وؔلی اور سراؔج نے آگے چل کر اسی زبان میں شاعری کی۔ بعد کے زمانے میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، لالہ لچھمی نرائن شفیؔق اور مولوی عبدالحق نے اس زبان کو پروان چڑھانے میں جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

ملک کی آزادی سے پہلے اور بعد میں جو بے چینی اور فکر مندی لوگوں کے ذہنوں پر چھائی ہوئی تھی، اسے دور کرنے کے لیے ہمارے شہر کے چند بزرگوں نے تعلیم کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔ اسے تعلیمی جمود کو ختم کرنے کی چھوٹی سی کوشش کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ ان بزرگوں میں مولوی چراغ علی، مولوی شیخ لعل پٹیل ایڈوکیٹ، سید احمد نہری ایڈوکیٹ، مولوی امجد علی خاں وغیرہ شامل تھے۔ ان حضرات نے انجمن اشاعت تعلیم کی بنیاد ڈالی جس کے تحت لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ اسکول قائم کیے گئے۔ اس سے تحریک پا کر سارے مراٹھواڑہ میں لوگوں نے تعلیمی ادارے قائم کر کے اردو مدارس کا ایک جال بچھا دیا۔ ایک چھوٹی سی کوشش آگے چل کر ایک بڑے کام کا پیش خیمہ بنی۔

اسی طرح اورنگ آباد کی عظیم اور سب سے بڑی جامع مسجد، جس کو ملک عنبر نے تعمیر کیا تھا اور اورنگ زیب نے توسیع کر کے تقریباً ۴۵ کمرے تعمیر کروائے تھے آج جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم کے طلباء کی رہائش کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس درسگاہ میں مختلف دینی علوم جیسے ناظرہ قرآن، حفظ قرآن، حفظ حدیث، قرأت وتجوید، سیرت نبویہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بھی نظم کیا گیا ہے۔ اس درسگاہ کی بنیاد الحاج مولانا سعید خانؒ صاحب نے ۱۹۵۹ء میں رکھی تھی۔ اس کا الحاق عالم اسلام کی مشہور قدیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے ہے اور ندوہ ہی کے نصاب کے مطابق درس وتدریس کی جاتی ہے۔ اس طرح کی درسگاہوں کی ہر زمانے

میں ضرورت رہی ہے لیکن موجودہ زمانے کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی طرح درسگاہوں کا نہ صرف قیام عمل میں لایا جائے بلکہ ان کا وجود ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے تاکہ مستقبل میں کفر والحاد کا مقابلہ کرنے اور دینی بیداری پیدا کرنے کے لیے لوگ تیار ملیں۔

جس مخلصانہ طور پر اس درسگاہ کے اساتذہ' ناظم اعلیٰ' مہتمم' صدر مدرس' منتظم اعلیٰ ودیگر حضرات خدمات انجام دے رہے ہیں اس کی ستائش ضروری ہے۔اس ادارے کے فارغین کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

حیدرآباد کو پایہ تخت کی تبدیلی کے بعد اورنگ آباد شہر پر ایک طرح سے نکبت طاری ہوگئی تھی۔اس حکومت کے پہلے حکمراں اور آخری دو حکمراں' نواب میر محبوب علی خان اور نواب میر عثمان علی خان نے عوامی بہبود کے بے شمار کام کیے۔حیدرآباد کے بعد اورنگ آباد میں تعلیمی ادارے قائم کیے گئے۔ اورنگ آباد کے سٹی کالج کا الحاق عثمانیہ یونیورسٹی سے کیا گیا۔حیدرآباد میں تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے کام ہونے لگے اردو سرکاری زبان قرار پائی۔ میر عثمان علی خان کا دور ایک یادگار دور تھا۔رعایا خوش حال' قانع اور مطمئن تھی۔ ہندو مسلمانوں سے یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔مہاراجہ کشن پرشاد وزیر اعظم بنائے گئے۔حیدرآباد شہر کا کوتوال ہمیشہ ایک ہندو ہوتا تھا۔قومی یکجہتی' رواداری اور آپسی یگانگت کی بے شمار مثالوں سے بھرپور حیدرآباد اسٹیٹ اور اس کے متعدد شہر' جن میں اورنگ آباد سرفہرست ہے' ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

گوکہ ملک میں انگریزوں کی آمد کا سلسلہ مغل حکمراں جہانگیر کے عہد میں ہو چکا تھا۔تجارت کے بہانے ملک میں داخل ہونے والے انگریز تاجروں کو مراعات حاصل تھیں' لیکن رفتہ رفتہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت انھوں نے اپنی سازشیں شروع کردیں سب سے پہلے انھوں نے دیسی حکمرانوں پر قابو پایا۔نظام دکن بھی ان سے نہ بچ سکا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عملاً ریاستوں پر قابض اور متصرف ہوگئے۔مختلف شہروں میں ان کی فوجی چھاؤنیاں قائم ہوگئیں اورنگ آباد میں بھی ان کی فوجی چھاؤنی قائم ہوئی۔

ملک بھر میں انگریزوں کے ظلم اور جبر کا چونکہ مسلمان ہی نشانہ تھے۔اس لیے اس کے خلاف پرزور احتجاج بھی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوا۔اس معاملے میں ہمارے علماء پیش پیش تھے۔ان میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علاوہ محمد علی جوہرؒ ان کے بھائی مولانا شوکت علی' چراغ حسن حسرتؒ' ابوالکلام آزاد' اشفاق اللہ خان شہید' وغیرہ شامل تھے۔بعد میں آزادی کی لڑائی میں مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح بھی شامل ہوگئے۔آزادی کی تحریک روز بروز بڑھتی گئی اور مختلف انداز میں انگریزوں کے خلاف احتجاج' دھرنے' بھوک ہڑتال' بائیکاٹ' ستیہ گرہ' عدم تعاون جیسی تحریکیں ملک بھر میں پھیل گئیں۔مسلمانوں نے ان تحریکوں میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔اورنگ آباد میں بھی اس تحریک کے اثرات پڑے' چنانچہ کالا چبوترا کا استعمال مجاہدین آزادی کو پھانسی دینے اور قتل کردینے کے لیے کیا گیا ان مجاہدین میں مسلمان بھی شامل تھے۔ بالآخر جنگ عظیم دوم کے اختتام پر ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ملک آزاد ہوا اور اسی کے ساتھ دوسو سال تک قائم رہنے والی آصفیہ حکومت کا خاتمہ ہوا۔اس ریاست کو انڈین یونین میں شامل کرلیا گیا۔اس کے کافی عرصہ بعد اورنگ آباد کا ریاست مہاراشٹر میں انضمام کیا گیا۔

آج کل اورنگ آباد' ایشیاء کا سب سے تیز ترقی کرنے والا شہر تسلیم کرلیا گیا ہے۔اس شہر میں ہر طرح کی ترقی ہو رہی ہے۔پرانے اورنگ آباد کے ساتھ نیا اورنگ آباد بھی وجود میں آگیا ہے۔مختلف انڈسٹریوں اور کارخانوں کے وجود میں آنے کے بعد یہاں کی آبادی بھی بے تحاشہ بڑھ گئی ہے۔بے شمار پرائمری اور ہائی اسکول' کالج کھل گئے ہیں۔پچھلے پچاس برسوں سے زکریا صاحب کا قائم کردہ مولانا آزاد کالج اور اس سے ملحقہ دوسرے کالج جن میں لڑکیوں کے لیے علیحدہ کالج بھی ہے' اپنی تعلیمی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہاں ایک یونیورسٹی بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی بھی ہے۔غرض تعلیمی لحاظ سے ہمارے طلباء بھی اب کسی لحاظ سے پیچھے نہیں ہیں۔مایوسی کی جو کیفیت مسلمانوں کے جسم وجان کا حصہ تھی رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے اور یہ ایک خوش آئند بات ہے۔

بقیہ: اداریہ

ہندوستانی مسلمانوں کو مختلف نوع سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے بارے میں اعلامیہ اور پیغام کے ذریعے باخبر رکھنے کی کوشش، ملک کے ممتاز علماء کے تعاون سے نئے مسائل پر مضامین و کتابچوں کی تیاری و اشاعت، ہندوستان کی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا کے خلاف ہونے والے فیصلوں اور دائر مقدمات کا جائزہ اور اس پر ضروری اور قانونی کارروائی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری کوششیں اور تعمیری منصوبے مسلم پرسنل لا بورڈ انجام دے رہا ہے؛ لیکن یہ بات بنیادی طور پر واضح رہنی چاہئے کہ اس کی تمام جدوجہد اور کاوشوں کا اصل رخ اور سمت ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلام کی عائلی و شرعی تعلیمات سے آگاہ کرنا اور انہیں اس پر قائم رہنے، اس پر چلنے اور عمل کرنے کی سہولتیں فراہم کرنا وراس سلسلے میں انھیں ہر قسم کی معلومات دینا، ان کی غلط فہمیوں اور الجھنوں کو دور کرنا اور فرد سے لے کر خاندان اور خاندان سے لے کر پورے سماج تک مسلمانوں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے اور اس پر جمے رہنے کی تلقین کرنا بورڈ کی بنیادی ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملت کے باصلاحیت مخلص نوجوان، اپنا وقت، اپنی صلاحیت، اپنا تجربہ اور اپنا سرمایہ بورڈ کے مقاصد کی تکمیل اور اس کے منصوبوں کی انجام دہی میں لگائیں اور صرف کریں تب ہی کامیابی کی طرف ہم بڑھ سکیں گے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام مسلم تنظیموں، جماعتوں، ہر فرقہ و مسلک کے نمائندوں اور قابل اعتماد لوگوں کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے، اگر سب لوگ اور خاص کر ارکان بورڈ اپنی اپنی سطح سے شریعت اسلامی کے تحفظ و بقا اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے اجرا و نفاذ کے لیے اخلاص و حکمت کے ساتھ جدوجہد کریں تو اس سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام انسانوں کو ایک ایسا راستہ مل جائے گا جس کی ان کو ضرورت اور تلاش ہے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

بقیہ: مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی بسلسلۂ اصلاح معاشرہ

اور ان کی اصلاح کے لئے زمانہ اور حالات کے تحت جو مناسب و موافق تدابیر ہو سکتی ہیں، انکو اختیار کریں، مثلاً انھیں اچھی صحبتوں میں رہنے، نیک مجالس و اجتماعات میں بیٹھنے اور پاکیزہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی تاکید کریں، آج کے دور میں تبلیغی جماعت سے منسلک ہونے یا کسی دینی ملی تحریک سے وابستہ رہنے کی ترغیب دیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی اصلاح معاشرہ تحریک میں اس طبقہ کو خصوصی طور پر ترجیح و فوقیت دی ہے، بورڈ اپنی اس کل ہند تحریک کے ذریعہ نوجوانوں کو برابر ترغیب دیتا اور تاکید کرتا رہا ہے کہ وہ گناہوں سے، خرابیوں سے اور ہر طرح کی برائیوں سے اجتناب کریں۔ ماشاء اللہ بنگال سے کیرالہ تک بورڈ کی کاوشات کے نتیجہ میں اس طبقہ کی اچھی خاصی ذہن سازی ہوئی ہے، اسی ذہن سازی کی برکت ہے کہ معاشرے میں پھیلی برائیوں سے، رسومات و رواجات سے، خاص طور پر شرک و بدعات سے اور شادی بیاہ کے جہیز و اسراف سے وہ احتراز و پرہیز کر رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طبقہ کی تربیت کی طرف مزید توجہ کی جائے۔

یہاں یہ تحریر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کیرالہ کے اراکین بورڈ نے ریاست بھر میں بسلسلہ اصلاح معاشرہ مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی کی مہم چلائی اور شہر کالی کٹ میں باقاعدہ اصلاح معاشرہ کا دفتر قائم کیا، اس میں ریاست بھر سے ہزار ہا ہزار کی تعداد میں نوجوان، وہاں موجود اس عہد نامہ (حلف نامہ) پر دستخط کرتے ہیں، کہ وہ معاشرے میں پھیلی تمام خرابیوں، برائیوں سے اپنے دامن کو بچائیں گے اور پھر معاشرے کو، ان گناہوں سے، رسومات سے پاک کرنے کیلئے وہ ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔

ملک کے طول و عرض میں جہاں جہاں بھی اصلاح معاشرے کی محنت ہو رہی ہے، وہاں ''نوجوانوں'' کی اصلاح کے لئے خصوصی طور پر نظم و اہتمام ہونا چاہئے اور ان کی اس طرح ذہن سازی کرنا چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ پورے معاشرے کی اصلاح کے لئے کمربستہ رہیں اور اس سلسلہ میں وہ اپنی جواں مردی کو یعنی اپنی نوجوانی کی فعالیت کو پرجوش بنائیں۔

حدیث پاک میں معلم عالم و مربی اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''محشر میں عرش کے سایہ میں جو طبقات محفوظ و مامون ہونگے، ان میں سے ایک طبقہ ''الشابّ نشاء فی عبادۃ اللّٰہ'' (وہ نوجوان جن کی جوانی اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی) بھی ہے۔ اس حدیث پاک سے نوجوان طبقہ کو خوش ہونا چاہئے اور اس فضیلت کے لئے کوشاں ہونا چاہئے۔ ❁ ❁ ❁

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.